جیسا منہ ویسی چپیڑ

501-600

فکرِ سلطان

سیریز ہشتم: طنز و مزاح

ڈاکٹر سلطان محمود

سیریل	عنوان	کیٹاگری	صفحہ نمبر
501	پروفیسر ایم اے رفرف		
502	دولت اور آزادی سے شادی		
503	جہنم جیسی گرمی		
504	چینی گھیرا		
505	ہماری تصنیفی ورفتطنیاں		
506	نظر اندازی کی معافی		
507	دال میں کالا		
508	قومی بحران کا مستقل حل		
509	سطحی سوچ		
510	کند ہم جنس		
511	شکوریاں		
512	پاپا کہتے ہیں بڑا کام کرے گا		
513	یاد ماضی بہت حسین ہے یارب		
514	چاچا بحثی		
515	خبر دار۔ اگر ٹس سے مس تو پھر بس		
516	چلو بھر پٹرول		
517	سانپ اور سیڑھی کا کھیل		
518	چیونٹی کے پر		
519	اتفاق فاؤنڈری کی سیاست		
520	وادی کوئٹہ		
521	ہمارے پلانر سو نہیں رہے		

522	قومی مشاورت		
523	پاکستان کے بحری معاملات		
524	اچھائی برائی کی چشمک		
525	عمران بھی لنگڑا ہی رہے گا		
526	خواب دیوانہ، تعبیر احمقانہ		
527	علم کی شکست		
528	دین کی شکست		
529	محبتیں جب شمار کرنا تو سازشیں بھی شمار کرنا		
530	Our PhDs		
531	ہماری تعلیمی تباہی		
532	ماحولیات کے بچے جمورے		
533	مجھ و بیچ کے گھوڑی لئی		
534	آبادی کا بم		
535	گور پیا کوئی ہور		
536	گناہ و ثواب		
537	میراثی		
538	قیام پاکستان کی کہانی دشمن کی زبانی		
539	کرائے کے لکھاری		
540	کیا انسانی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہے		
541	انسان اپنی قبر منہ سے کھودتا ہے		
542	انتخابی سیاست کا کیڑا		
543	محض اتنی سی سیاست		

544	رمیش لال سے غلام رسول تک		
545	امریکہ چین کی سرد جنگ		
546	مخلوقات کی گروہ بندی		
547	ڈنگ ٹپاؤ حکومت		
548	بڑھتی آبادی کی عفریت اور غذائی عدم تحفظ		
549	ہم فضول خرچ قوم ہیں		
550	بعد مرنے کے میرے گھر سے		
551	جسے موت نے نہ پوچھا اسے زندگی نے مارا		
552	میں کیوں یوٹیوبر بنا		
553	دوستوں کی نذر		
554	آٹھ منٹ سالانہ کے کتاب دوست		
555	بھٹو خاندان کی جمہوریت		
556	گورے کی تنزلی		
557	کیا قرآن حفظ کر لینا ہی کافی ہے		
558	نہ کر بندیا میری میری، توں ایں خاک دی ڈھیری		
559	پھوکے فائر		
560	علم اور روٹی کے پیاسے		
561	لٹیروں کی بخشش		
562	پنجابی ڈھگا		
563	اگر انگریز نہ آتا تو		
564	مغربی جمہوریت		
565	ہماری سماجی ذمہ داریاں		

566	خونی واورولا		
567	کھیرا، کھوتی ریڑھی اور شاعر		
568	خوش قسمت سات فیصد		
569	جزیات سے مل کر ہی کل بنتا ہے		
570	چار منحوس اور چار بد معاشش		
571	اچھی بیویاں		
572	چاند پر تھوک		
573	پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں		
745	کیا یہ بنیاد پرستی ہے؟		
575	کیا کورونا حیاتیاتی جنگی ہتھیار تھا؟"		
576	اپنے مشیروں سے بچیں		
577	تراہ کاڈنے والا فلاسفر		
578	دبئی کی سرمئی شامیں		
579	ویکھو جٹی دی عقل گئی		
580	برج خلیفہ کے سائے تلے		

591		جیسا منہ ویسی چپیڑ	
592		اک الف اللہ تینوں درکار	
593		حسن شائستگی کی نذر	
594		پاؤں میں بلیلاں	
595		تو بھی ڈاکٹر میں بھی ڈاکٹر	
596		یوتھیا یا عمرانڈو	
597		قوم کی جعلی بیٹی	
598		ہدیہ تبریک (قسط اول)	
599		ہدیہ تبریک (قسط دوم)	
600		صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے	

"پروفیسر ایم اے رفرف"

کالم میٹھا سچ 501 از ڈاکٹر سلطان محمود

8 مئی 2022ء

پہلے پہل میں بھی کمزور اسلامی طالب علم کی طرح رفرف کا نام سن کر مسکرایا لیکن جونہی علم میں آیا کہ نبی پاکؐ کو معراج پر لیجانے والی سواری کا نام رفرف تھا تو شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔ وضاحت موصوف کی زبان سے ہی سنی تھی غالباً پچیس برس قبل اور پھر ہمارا دوست نہ بن جانے کے بغیر کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں بچا تھا۔ جناب پروفیسر رفرف کو بخوبی یاد ہو گی وہ محفل جہاں مشہور ماہر نفسیات محترمہ ڈاکٹر غزالہ موسیٰ نے ہمارا تعارف کرایا تھا۔ دوسری بار ہم پروفیسر صاحب سے براہ راست متاثر ہونے کی خواہش میں تب مسکرائے جب پتہ چلا کہ اسلام میں انشورنس کے کاروبار کو تقویٰ کی نفی کے طور پر جانا جاتا ہے مگر پروفیسر موصوف دونوں انتہاؤں پر کیسے جمے کھڑے ہیں۔ اس اعتراض پر ہمیں حجاز ہسپتال کے کرتا دھرتا حاجی انعام الٰہی کوثر مرحوم نے رام کر لیا۔ پھر آخری اور تیسری مسکراہٹ پروفیسری والی تھی کہ کس یونیورسٹی میں ہیں؟ جسکا جواب ایم اے او کالج کے ایک عزیز دوست پروفیسر افتخار صاحب نے دیا لیکن افسوس ہمیں مطمئن کرتے ہی اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ خیر ہماری پروفیسر رفرف سے دوستی کی اصل وجہ کچھ اور بنی۔

دراصل ہم نے جی بھر کر اردو انگریزی لٹریچر پڑھ رکھا تھا لیکن ایک روز پروفیسر رفرف کے لیکچر میں لفظ مرنجان مرنج سن کر اپنی علمی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوا کیونکہ ہم اس سے قبل اسے مربخاں مرنج پڑھا کرتے تھے۔ ہم ان کے فین ہو گئے کہ یار چلو ان صاحب کی وجہ سے ہماری عزت بچ گئی ہے ورنہ ہمیں اس درستگی سے قبل یہ لفظ بولنا پڑتا تو ہم نے میٹرک کے بعد اردو بحیثیت مضمون نہ پڑھے ہونے کے باعث اسے مربخاں مرنج ہی پڑھ دینا تھا اور پھر سامعین سے ہوٹنگ کروا کر گھر بیٹھ جانا تھا۔ کیونکہ یہ تلفظ تو کوئی استاد ہی درست کروا سکتا تھا جو ہمیں انٹر کے بعد ملا بھی کوئی نہ۔ بس پھر ہمیں ایسا لگا کہ بغیر استاد کثرت سے مطالعہ کرنا گرمیوں میں پان چبانے جیسا ہی فعل لگتا ہے کیونکہ اپنے تلفظ کی غلطی دوسرے کے علم میں نہیں آتی۔ گو کہ ہم ٹھنڈی چائے کے کرب، بیگم سے مشورے کے عذاب اور انگریزی میں غزلیں پڑھنے جیسی بیچارگی سے کافی دفعہ گزرتے آئے تھے لہٰذا آئندہ سے بغیر سبکی کروائے مربخاں مرنج کو مرنجان مرنج سے بدل لیا اور پروفیسر رفرف کو روحانی استاد مان لیا۔

آج جناب رفرف کی شان عقیدت میں منعقدہ موجودہ تقریب کا محترمہ ڈاکٹر نوشین صاحبہ کی جانب سے دعوت نامہ ملا تو سب سے پہلے پروفیسر صاحب کے پروفائل پر نظر پڑتے ہی خوشگوار حیرت سے یہ دکھ کافور ہو گیا کہ کیا ہوا جو ہم بو علی سینا کے دور میں پیدا نہ ہو سکے جو بیک وقت کیمسٹری، فزکس، فارمیسی، طب، قانون، نجوم اور حکمت کے استاد تھے۔ کیا یہ غنیمت نہیں کہ ہمارے درمیان پروفیسر رفرف موجود ہیں جو بو علی سینا کی طرح بیک وقت دانشور، شاعر، ادیب، مکرر، ماہر تعلیم، سوشل ورکر، معالج ٹرینر اور احتساب دان ہیں بلکہ ہمارے تجربے کے مطابق یو گا اور بیمے کی میدان میں بھی یکتا ہیں۔

آج جہاں اس نابغہ روز گار دوست کی کشش ہمیں کھینچ کھینچ لائی ہے اس میں ان کے علاوہ جناب مسعود خان صاحب کی حلم و حکمت سے دعوت فکر والی گفتگو بھی سننے کا بے حد اشتیاق تھا۔ نیز اپنے مربی جناب قاضی منشا صاحب کی اردو ادب سے مرصع بھرپور لفظوں کی چاشنی پا جانے کا بھی شوق تھا۔ ان مشفقین کے علاوہ اگر کسی کو اپنے وقت کی حسین ماہر نقابت، ماہر ماحولیات اور ثقہ کالم نگار محترمہ ڈاکٹر نوشین صاحبہ کی دعوت ملے اور وہ قبول نہ کرے تو یہ تو خوامخواہ منکرین میں شامل ہونے والی بات ہوئی ناں۔

اس خوبصورت محفل کی وساطت سے میں پانچ چھ برس پرانی جناب مسعود خان صاحب کی خدمت میں پیش کی جانے والی درخواست دوبارہ دہرانا چاہوں گا کہ شاید اس بار اذن باریابی ہو جائے اور وہ یہ کہ حضور اب تو پی ایچ ڈی پہلے سے بھی بڑھ چکے ہیں اب تو "تھنک ٹینک فورم" بنا لینے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ بہت شکریہ

"دولت اور آزادی سے شادی"

کالم میٹھا سچ 502 از ڈاکٹر سلطان محمود

8 مئی 2022ء

ہمارا ایک دور کا کزن چچا کی بیٹی سے شادی پر رضامند نہ تھا جبکہ سارا خاندان دولت جہیز کی شکل میں باہر نکل جانے کے باعث مصر تھا شادی یہیں ہو۔ لڑکا لڑکی خوبصورت اور پیسے کی جل تھل۔ بالآخر زبردستی شادی کر دی گئی۔ دو سال لڑکے نے دلہن کی جانب دیکھا بھی نہ لیکن بالآخر نا صرف دنیا سے ہار گیا بلکہ دنیا ہی سے سدھار گیا مگر جاتے جاتے چار بچے پھر بھی بنا گیا۔ یہ ایک دولتمند خاندان کا قصہ تھا۔

اب ایک اور دولتمند خاندان کی لڑکی کا قصہ سنیں۔ یہاں نہ جہیز کی قلت نہ محبت کی کہانی۔ لڑکی بھی خوبصورت اور انجینئر لیکن پینتیس کی ہو چلی بس معیار کا گھر نہیں مل رہا۔ یعنی اکیلا دکیلا یا نہایت چھوٹے گھرانے کا لڑکا، دولتمند بھی ہو، خوبصورت بھی ہو اور زیادہ پڑھا لکھا بھی مگر عمر میں لڑکی سے بس ایک دو برس بڑا۔

تیسری مثال ایک غریب گھرانے کی ہے۔ پانچ خوبصورت بہنیں لیکن سبھی کنواری۔ کیونکہ والدین بڑا جہیز نہیں دے سکتے بلکہ گھر بھی کرائے کا۔ یہاں چند اوسط گھرانوں کے رشتے آئے لیکن لڑکیاں اپنے حسن کے باعث امیر گھرانے ڈھونڈ رہی ہیں۔

چوتھے قصے میں امیر گھرانے کا خوبصورت پڑھا لکھا اکلوتا لڑکا ہے جو کسی لیڈی ڈیانا کے انتظار میں ہے۔ کبھی مثالیں بیوہ، مطلقہ اور سنگل ماؤں کی بھی ہے جن سے دوسرے نکاح کا چانس محض دس فیصد سے بھی کم ہے۔ ان حالات سے کیا نتیجہ نکلا؟ یعنی ہر جگہ پیسے اور آزادانہ زندگی گزارنے کا لالچ۔ نہ دین و مذہب کی پرواہ اور نہ جسمانی و ذہنی ضروریات اور صحت کا خیال۔

شاید یہ جھوٹ نہ ہو کہ لڑکیاں جہیز کی وجہ سے بوڑھی ہو رہی ہیں بلکہ زیادہ درست یہ ہے کہ لڑکیاں اپنے لالچ کی وجہ سے بیٹھی ہیں کیونکہ کم عمر لڑکا ملتا ہے تو اسکی تنخواہ بھی کم ہوتی ہے۔ جو تنخواہ وہ چاہتی ہیں تو ویسا لڑکا چالیس سے اوپر پھلانگ چکا ہوتا ہے۔

کیا کم عمر لیکن محنتی اور غیرت مند لڑکا نہیں اچھا آہستہ آہستہ اچھا کمانا شروع کر دے گا۔ اگر لڑکی لالچ اور انا پرستی میں دو جماعت کم والے کو قبول نہ کرے تو کنواری مرنا اس کی قسمت ہی ہو گی۔

بلوغت کے بعد لڑکی لڑکے کو ڈگریوں کی نہیں بلکہ نکاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب سے کامیاب وہ گھرانے ہوتے ہیں جو اٹھارہ بیس سال کی عمر میں بچوں کی شادی کر دیتے ہیں۔ اگر مسئلہ تعلیم کا ہے تو وہ شادی کے بعد بھی جاری رکھی جا سکتی ہے۔

عورت کی تعلیم اور مرد کا پیسہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

بہت کم مرد عورت کو بچے سمیت قبول کرتے ہیں۔

مرد اپنے سے بہت کم پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کر لیتا ہے مگر عورت خصوصاً نوکری پیشہ کنواری مر جائے گی لیکن کم تعلیم یافتہ مرد سے شادی نہیں کرے گی۔

ڈاکٹر ڈاکٹر سے شادی کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ رشتوں کے اتنے مسائل نہیں جتنا معیار کا مسئلہ ہے۔

امیر گھرانوں کی لڑکیاں ہنسی خوشی والدین کے گھر رہ لیں گی مگر معیار سے نیچے شادی نہیں کریں گی۔

مردانہ خود غرضی یہ ہے کہ طلاق یافتہ یا رنڈوے مرد اپنے بچے ہونے کے باوجود کنواری یا بانجھ خواتین کے متلاشی رہتے ہیں۔

بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ڈھلتی عمر کی کنواریاں چالیس سے اوپر جا کر بھی اپنی طلب میں کوئی خاطر خواہ رعایت نہیں دیتیں۔

ایک اور ظلم یہ سوچ ہے کہ 35 کی عمر کے بعد عورت میں بچے پیدا ہونے کے چانس بہت کم ہو جاتے ہیں اگر پہلے بچے نہ ہوں۔

غیر شادی شدہ یا جوانی میں بیوہ ہو جانے والی عورتیں بڑھاپے میں سخت پچھتاتی ہیں اور ذہنی مریض بن جاتی ہیں چاہے وہ کتنی بھی دولت مند کیوں نہ ہوں۔

شہروں میں تو شادی بزنس بن چکی ہے۔

چھوٹی چھوٹی بات پر طلاق لیتی لڑکیاں اپنے والدین کی بھرپور گھر اجاڑو پالیسی پر عمل کرتے ہوئے واپس گھر پہنچتی ہیں تو سمجھتی ہیں وہ حق پر ہیں مگر کچھ ہی عرصے میں جب رشتہ نہیں ہوتا اور والدین وقت سے پہلے اوپر پہنچ جاتے ہیں تب بھابیوں کے ہاتھ ذلیل ہوتے ہوئے اکثر سوچتی ہیں کہ یہ سب ہی سننا تھا تو شوہر کیا برا تھا۔

"جہنم جیسی گرمی"

کالم میٹھا سچ 503 از ڈاکٹر سلطان محمود

9 مئی 2022ء

ایسی گرمی سے اللہ کی پناہ جو 122 سالہ ریکارڈ توڑنے جا رہی ہے اور اپنے کرتوتوں کی سزا کے طور پر عنقریب ہمیں جہنم کا ٹریلر بھی شاید دیکھنے اور سمجھنے کے لئے مل جائے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ ماہرین پچاس سالوں سے بتا رہے ہیں جبکہ ہم ان کالموں اور سیمینارز میں بھی پچیس برس سے زیادہ سے لکھ اور بول کر تھکنے والے ہیں۔ لیکن ہماری عاقبت نااندیش عوام کو سیاسی پارٹیوں کی دھما چوکڑی پر ایک دوسرے کا تمسخر اڑانے سے فرصت ملے تو اس نازک مسئلے پر بھی توجہ دیں۔

ہمیں درخت کاٹنے کے انجام، ضرورت سے زائد گاڑیاں خریدنے کی حماقت، زرعی زمینوں پر ہاؤسنگ سکیمیں بنانے کے لالچ، پانی اور سورج سے بجلی بنانے کی بجائے فرنس آئل اور گیس سے بجلی بنانے کے جرم نیز کرپشن کا پیٹ بھرنے کے لئے مہنگے بجلی گھروں سے دہائیوں کے لئے ایسے ملک دشمن معاہدے کرنے کی سزا اب بس ملنا ہی چاہتی ہے۔ دوستو آیئے سیاست کھائیں سیاست اوڑھیں اور سیاست کو وقت دیں اور عذاب کا سامنا کرنے کی بجائے بھلے کی طرح آنکھیں موند لیں۔ ابھی بھی وقت ہے جاگ جائیں اگر آپ اپنے بچوں کو اس عذاب سے بچانا چاہتے ہیں تو۔

اس وارننگ کو اس وقت بیان کرنے کی وجہ وہ خبر بنی ہے کہ جس میں وزارت ماحولیاتی تبدیلی نے بتایا ہے کہ ہماری حفاظتی چھت یعنی گلیشیئرز میں ہزاروں گلاف بن چکے ہیں۔

آیئے ملاحظہ کرتے ہیں کی یہ گلاف کیا ہیں؟

"Of these, 33 glacial lakes have been assessed to be prone to hazardous glacial lake outburst flooding (GLOF). GLOF are sudden events which can release millions of cubic metres of water and debris, leading to the loss of lives, property and livelihoods amongst remote and impoverished mountain communities".

مندرجہ بالا پرانی رپورٹ ہے۔ اس سال اپریل میں ان ٹوٹنے کے خطرے سے دوچار جھیلوں کی GLOF کسی بھی وقت دھماکے سے پھٹ سکتی ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ پاکستان کی حفاظتی چھت یا آئس کیپ والے ہزاروں چھوٹے بڑے گلیشیرز نہائت تیز رفتاری سے پگھل کر نہ صرف آئس کیپ کم کر رہے ہیں بلکہ شدید طوفانی سیلابوں کو بھی لائیں گے جس سے نپٹنے کا ہماری حکومت کے پاس ڈیمز کی صورت میں خاطر خواہ بندوبست نہیں۔ کل کو سمندر کی سطح بلند ہو کر کلفٹن کراچی کو غرق کرے یا نہ لیکن اس سے بہت پہلے بیشمار فصلیں اور جانور برباد ہو کر ملک کی 23 کروڑ عوام کو غذائی عدم تحفظ کے خطرے میں ضرور ڈال دیں گی۔

یاد رکھیں عالمی حدت یا گلوبل وارمنگ ماحولیاتی مسئلے سے بڑھ کر اب سیکیورٹی تھریٹ یا بچاؤ کے لئے خطرہ بن چکا ہے۔ اس خطرے سے "آفات کا انتظام و انصرام کا قومی ادارہ" جیسے ادارے اکیلے کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم کرپشن کا ذکر نہ بھی کریں تو بھارت دوست ایک سابق صدر سمیت سندھ اور کے پی کے چند غدار سیاستدانوں کو ماضی ہی میں پھانسی دے دی جاتی اور کالا باغ ڈیم بننے دیا جاتا تو حالات شاید اتنے خطرناک نہ ہوتے بلکہ پنجاب کے ان سیاستدانوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا جنہوں نے پن بجلی کے منصوبے پروان نہ چڑھنے دیئے اور اگر ماحول دوست سولر منصوبے شروع بھی کئے تو اپنی کمیشن کے لالچ میں مگر پھر رشوت کھا کر بھی پنپنے نہ دیئے۔

بنک قرضے کے ذریعے بے تحاشہ گاڑیاں بانٹنا، سی این جی سے پھر انہیں چلانا، پانی اور سورج سے بجلی بنانے کی بجائے فرنس آئل اور گیس سے ٹربائینیں چلا کر بجلی بنانا، نیز شہری ترقی کے نام پر درخت کاٹنا اور زرعی زمینوں پر ہاؤسنگ سکیمیں بنانا ناقابل معافی جرائم ہیں جس پر اگر ذمے داران کو بروقت زندہ جلا دیا جاتا تو ان کے سمیت ہمارے بچے اور پھر آگے ان کی نسلیں اس ممکنہ تباہی کا شکار نہ ہوتے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہم جیسے درجنوں پروفیشنلز کی آدھی صدی کی وارننگ پر کسی نے نہ صرف ماضی میں کان دھرا اور نہ آج دھرنے کو تیار ہے۔ آج بھی اگر مذکورہ بالا تباہی کی تمام وجوہات کا تدارک کر لیا جائے تو شاید دس بیس سال اس جہنم کا سامنا کرنے سے بچ جائیں۔

"چینی گھیرا"

کالم میٹھا سچ 504 از ڈاکٹر سلطان محمود

18 مئی 2022ء

اب مستقبل قریب کا صرف گوادر ہی نظر نہیں آ رہا بلکہ دنیا پر چھا جانے کا چینی منصوبہ بھی واضح ہے جس میں چین اب نصف سے آگے بڑھ چکا ہے اور اسے روکنا اب دنیا کے بس سے نکلتا جا رہا ہے۔ اگر امریکی اتنے ہی سمجھدار اور طاقتور ہوتے جتنا ہم پاکستانی سمجھتے ہیں تو محض پندرہ بیس برس قبل غریب چین کو روک کر دنیا پر اپنی اجارہ داری ابھی اور سو پچاس برس قائم رکھ سکتے تھے لیکن جس خاموش حکمت عملی سے امریکہ نے روس کے صدر گورباچوف سے ہی سویت یونین تڑوایا تھا جو حکمت اب "گوربی اپروچ" کے نام سے مشہور ہے اسی طرح دنیا بھر کی زمین، فضا اور سمندروں پر امریکہ کے مکمل سیٹیلائٹ کنٹرول کے باوجود چین اس کی ناک کے نیچے پھلتا پھولتا رہا لیکن امریکہ دھوکے میں رہا۔ وجہ شاید یہ بھی بنی ہو کہ امریکہ روس کو فوکس کئے بیٹھا رہا اور چین سے خطرہ محسوس نہ کر سکا۔

امریکہ اور چین کی پالیسی میں وہ کون سا فرق ہے جس نے محض تیس برس میں امریکہ کو واحد عالمی طاقت کے درجے سے نیچے کھسکا دیا ہے اور چین کی گڈی چڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اور وہ ہے امریکہ کی سرخ یا جبری پالیسی اور چین کی سبز یا دوستانہ حکمت عملی۔ امریکہ کا جنگی ذہن ہے جس سے اس

نے دھونس اور دھاندلی سے پوری دنیا کو اسلحہ بیچنے کے لئے جنگیں کروا کر مال اکٹھا کیا بالکل ویسے ہی جیسے برطانیہ نے آدھی دنیا پر قبضہ کر کے ان کی دولت لوٹی اور آج بھی گو کہ ان ممالک کو آزاد کر چکا ہے لیکن اس کے کرپٹ حکمران مسلسل اپنے اپنے ممالک کی دولت لوٹ کر وہیں جمع کر رہے ہیں۔ اس برطانوی یا امریکی حکمت عملی سے دنیا کے پاکستان جیسے غریب ممالک خوفزدہ ہو کر امریکہ کے ساتھی بنے بیٹھے ہیں اور یورپ جیسے امیر ممالک اپنے اندر امریکی اڈوں اور اسلحے کی وجہ سے چپ بیٹھے ہیں لیکن سبھی اس وقت کے انتظار میں ہیں کہ کب موقع ملے اور امریکی غلامی سے نکل باہر ہوں۔ امریکہ نے ہمیشہ دنیا کو اسلحہ، فوجی اور قرضوں کے جال میں پھانسا لیکن اپنی ٹیکنالوجی و سائنسی ترقی میں کم کم ہی دنیا کو حصے دار بنایا۔

اب ملاحظہ کیجئیے چین کی حکمت عملی۔ چین نے دنیا کے لگ بھگ 55 ممالک کو چن کر انہیں قرضوں کی شکل میں معاشی ترقی کے مواقع فراہم کئے۔ چین کے سی پیک جیسے سات اور منصوبے بھی ہیں جو اسے یورپ اور افریقہ تک جوڑ رہے ہیں۔ یعنی چین اپنے پیسے سے غیر ممالک کے اندر ترقی کروا رہا ہے۔ کہیں بھی فوجی نہیں بھیجے اور نہ جنگیں لڑیں اور نہ زور زبردستی سے کسی ملک پر قبضہ کیا لیکن چپکے سے ہر یو آن کے بدلے قرضئی ممالک کی بندرگاہیں، ہوائی اڈے، رسل و رسائل کے ذرائع وغیرہ بھی لکھوا لیتا ہے۔ یعنی امریکہ کے برعکس قرضے فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ انکی حکومتوں اور افواج کو اسلحے کی مد میں ٹیکنالوجی بھی ٹرانسفر کر دیتا ہے۔ اسی لئے کسی کو چین کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا اور چینی چپکے سے دوسرے قوموں میں سرایت کر جاتے ہیں۔

لہٰذا اب موجودہ صدی چین کی ہے اور ان کی چال سے لگتا ہے کہ آئندہ صدی بھی انہی کی ہے۔ ممکن ہے آئندہ صدی کے اختتام پر کچھ ممالک ایسے ہی چین کے خلاف بھی کوئی جنگ آزادی چھیڑ دیں جیسی پچھلی صدی میں پچاس ممالک نے برطانیہ کے خلاف چھیڑی تھیں مگر امکان کم ہے۔ وجہ نفسیاتی ہے یعنی انسان کی آزادی کو بھلے سے زنجیروں میں جکڑ کر بھی مسدود کر دیا جائے تب بھی اسے زندہ رکھنے کے لئے پیٹ بھرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کھلانا ہی پڑتا ہے اور چینی فلاسفر کنفیوشس بھی یہی کہتا رہا۔

"ہماری تصنیفی ورفتنیاں"

کالم 505 از ڈاکٹر سلطان محمود

20 مئی 2022ء

ایک گمشدگی سمیت ہماری سترہ تصنیفات ہیں۔ اس ذخیرے میں چھ مزید کتابوں کا اضافہ بس ہوا ہی چاہتا ہے۔ جن میں سے ایک مزید کتاب غذا پر ہے، چار سیاست مذہب تعلیم اور معاشرت وغیرہ پر طنز و مزاح کی کتب ہیں جبکہ ایک شاعری پر بھی ہے۔

ان کے علاوہ ہمارے چھ ابواب ایسے ہیں جو مختلف مصنفین نے اپنی کتابوں میں بحیثیت امتیازی مضمون شامل کر کے شائع کروائے ہیں۔

ہمارے ایک آفاقی دوست میاں وقارالاسلام نے اس "Lifetime Achievements of Dr. Sultan Mahmood" عنوان سے قریباً سو صفحات کی کتاب لکھ کر پہلے ہی اپنے خزانے میں ذخیرہ کر رکھی ہے ہیں۔ ہم سوچ رہے ہیں کہ کیوں نہ اسے بھی ہم اپنے اسیسیق کی بنیاد بنا کر کتابی شکل دے ماریں۔

علاوہ ازیں ہم کسی ایسے پیشہ ور ادیب کی تلاش میں ہیں جو ہمارے زمانہ تعلیم و تحقیق کے 1980ء تا 1992ء کے دور کے قومی و بین الاقوامی باون سائنسی ریسرچ پیپرز اور چار مقالوں کو ملا کر کتابی

شکل دے دے۔ بلکہ ہماری مرتب کردہ 400 سے زائد ماحولیاتی اور غذائی پراجیکٹس کی رپورٹس کے خلاصہ جات کی بھی کتاب بناڈالے۔ اگر اس نے ایسی انہونی کر ہی ڈالی تو ہم اسے اپنی ان 265 سوشل سیکٹر کی رپورٹس پر بھی لگا دیں گے جو ہم نے بلوچستان رورل سپورٹ پروگرام کے زمانے میں لکھی تھیں۔ مذکورہ سبھی رپورٹس کی ضخامت کے پیش نظر ان کی محض سمریز خلاصہ جات سے ہی کام چل سکتا ہے جسے کتابی شکل میں ڈھالنا ممکنات میں سے ہے۔

ہماری جنونی حد تک تحقیقی و ترقیاتی پراجیکٹس کی عبارتوں کے متاثرین میں پاکستان و غیر ممالک کے لگ بھگ تین درجن ایسے ادارے بھی شامل رہے ہیں جنہوں نے شہہ دے کر ہم سے قریباً ڈیڑھ ہزار لیکچر بھی کہلوا چھوڑے۔ **ان سب لیکچرز کا خلاصہ ایک الگ سے کتاب کا متقاضی ہے بشرطیکہ وقت وفا کرے۔**

اپنی گذارشات کو کتابی شکل دینے کا خناس گو کہ ہمارے دماغ میں میاں وقار صاحب ہی نے ٹھونسا تھا لیکن ہمارے ذہن کے کسی کونے سے ایک احتجاجی لہر بھی اٹھتی رہی ہے کہ اب تو ملک عزیز میں کتاب پڑھنے کا رجحان ہی ماشاءاللہ نہیں رہا تو آپ کس کے لئے کاغذ کالے کرتے چلے جا رہے ہیں؟ مگر دوسری جانب ہم چالیس برس قبل سنی گئی حدیث مبارکہ کو نظر انداز کرنا گناہ سمجھ رہے تھے کہ جس کے مطابق علم نافع کا نہ پھیلانا ناپسندیدہ فعل ہے۔ لہٰذا ہم نے نئی نسل کے موبائلی عشق اور اپنے علم نافع کے پھیلاؤ کی خواہش کو یوں آپس میں جوڑ دیا ہے کہ کتابیں لکھتے چلے جانے کی بیکار کی مشق کو اپنا ایک یوٹیوب چینل "تھنک ٹینک ایکوکیئر" بنا کر آج کے انسان کی ہتھیلی پر رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور نومبر 2021ء کی ایک سرد شام میں چینل رجسٹر بھی کرا لیا ہے۔ قطع نظر اس بات

کے کہ یوٹیوبی بھرمار میں دوست احباب ناک منہ چڑھائیں گے مگر ہم نے دیکھتے ہی دیکھتے اس پر اٹھاون وڈیوز ڈال دی ہیں حالانکہ چینل میں ناپسندیدہ ٹیموں کے آنے جانے میں دوماہ کا وقت بھی برباد ہوا۔ لیکن فائدہ یہ ہوا کہ ہمارے فیض گھر اور دیگر فورمز پر دیئے گئے ڈھائی سو لیکچر بھی بازیاب ہو گئے ہیں جو اس چینل کا حصہ بننے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ اب آج کی خبر یہ ہے کہ مندرجہ بالا سارے مواد کی یوٹیوب پر موجودگی کو دوام بخشنے کے لئے نیز ایک الگ قسم کے ذریعہ آمدن کی خاطر ہم نے اپنے ہی قریباً ایک ہزار بلاگز بھی تیار کر لئے ہیں جنہیں ویلیو ٹی وی و ٹی وی چینل فور کے افسر اعلیٰ اور مخلص دوست ملک عامر صاحب کی ہدایت پر دس وڈیوز ماہانہ کے حساب سے نیٹ پر پھینکے چلے جا رہے ہیں۔ اگر ان بلاگز ہی کو احتیاط سے ہارڈ کاپی میں منتقل کرتے رہیں تو دو دو سو صفحات کی پانچ مزید کتابیں ہاتھ آسکتی ہیں۔

دوستو یہ تو ہوئی آج تک کی داستان لیکن اب آئندہ ہم نے کتنے تیر چلانے ہیں کچھ اندازہ نہیں کیونکہ ہمارے ترکش میں ان گنت تیر موجود ہیں۔ اگر دس سال مزید زندگی مل گئی تو پندرہ بیس کتابیں تو شاید روٹین میں لکھ دیں۔ لیکن آپ حیران نہ ہوں کہ پھر سے کیوں ہم اپنی اگلی نسل کو اس کتاب کے چکر میں ڈال رہے ہیں؟ تو مہربان و قدردان عرض ہے کہ ابھی بھی ہمارے کاغذوں میں سوفٹ کاپی کی قدر نہیں۔

"نظر اندازی کی معافی"

کالم میٹھا سچ 506 از ڈاکٹر سلطان محمود

25 مئی 2022ء

پچھلے آٹھ دس برسوں میں موبائل فون پر نگارشات کو ٹائپ کرتے رہنے کا حاصل پائپ لائن میں پڑی چھ کتب کے علاوہ سترہ کتابوں کی شکل میں سامنے آیا ہے جو سبھی اللہ کے فضل سے خالصتاً اپنی تحقیق اور تخلیق ہیں اور اللہ کے دیئے گئے علم نافع (غذا و صحت اور ماحولیات یعنی غذائی تحفظ) کو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حکم پر پھیلاتے چلے جانے کی بجا آوری ہے۔ شاید نیت کا دخل تھا کہ میری اردو انگریزی کی سبھی کتب سائنسی، ماحولیاتی، عمرانی نیز سیاسی، مذہبی و معاشرتی امور پر طنز و مذاح وغیرہ یعنی تحقیقی و ادبی سرقہ کے عالمی معیار پر محض 14 فیصد نکلی ہیں جب کہ عالمی پیمانے پر بیس فیصد تک کی اجازت ہے۔

چونکہ عوام کتاب سے پرے ہو گئی ہے اس لئے آئندہ کی تخلیقات کو میں نے اپنے یوٹیوب چینل «Think Tank EcoCare» کی جانب موڑ دیا ہے

جسے سنجیدہ طبقے نے خاصہ سراہا ہے۔ اب چونکہ عادت سی ہو گئی ہے موبائل فون پر لکھتے رہنے کی اس لئے جن دوست احباب کو مجھ سے پیشہ ورانہ روزگار کمانے کی مصروفیت کے علاوہ "موبائلی" سرگرمیوں کی وجہ سے دوری کا شکوہ ہے یا قرب و جوار کے جن پیاروں کو مجھ سے نظر اندازی کی شکایت ہے وہ درگزر فرمائیں اور میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری محنت قبول فرمائے

کیونکہ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پورا کرنے میں واقعی بے حد مصروف ہو چکا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ابھی میں نے اپنی مخفی صلاحیتوں کے مطابق کچھ خاص نہیں کیا اور بحیثیت انسان جو انسانیت کو واپس لوٹانا تھا اس میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

یونہی چراغ لالہ روشن نہیں ہوا۔۔۔

جلتی رہی ہے شبنم شاداب رات بھر۔۔۔!!

"دال میں کالا"

کالم میٹھا سچ 507 از ڈاکٹر سلطان محمود

26 مئی 2022ء

سیاستدانوں کی حکومتی چھینا جھپٹی میں ہمیں دونوں جانب خفیہ ہاتھ کام کرتے نظر آرہے ہیں۔ تیئس کروڑ عوام میں تعداد کے لحاظ سے دو چھوٹے چھوٹے گروہ مصروف تشدد ہیں جن دونوں کے اوپر مافیاز کے سرغنہ قابض ہیں۔ اور یہ مافیاز کسی خاص قوت کی کٹھ پتلیاں ہیں۔ اس مافیا کے زیر اثر کل دس بارہ لاکھ احمق اور بے ایمان کارکن ہیں اور یہ متحرک سیاسی کارکن پورے ملک کی آبادی کا آدھا فیصد بھی نہیں بنتے لیکن جب چاہیں ساڑھے ننانوے فیصد بے قصور عوام کو نان نفقے سے بھی عاجز کر دیتے ہیں۔

پی ڈی ایم نے مہنگائی کا نعرہ لگا کر جب حکومت گرالی تو پھر نہ صرف یہ نعرہ ہوا میں تحلیل ہو گیا بلکہ مہنگائی ہماری توقعات کے مطابق اپنی مخصوص رفتار سے ویسے ہی بڑھتی رہی جیسے دور عمرانی میں بڑھ رہی تھی۔ جن جن معاملات پر پی ڈی ایم نے اعتراض کیا تھا وہی سبھی تھوکے وہ چاٹتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر موجودہ حکومت اس وقت کچھ کر رہی ہے تو محض شیروانیاں پہن کر اپنی ذات کے خلاف بچھائے عمرانی دور کے کانٹے صاف کر رہی ہے۔ نیز دو ووٹوں پر کھڑے رہنا اس حکومت کے گلے کی ہڈی بن گیا ہوا ہے۔ اپنے نعروں کو پس پشت ڈالے چلے جانے سے یہ شک پختہ ہو گیا ہے کہ

پی ڈی ایم کی اٹھان کا خفیہ ایجنڈا کہیں اور ترتیب دیا گیا ہو گا۔ اور ان اشاریوں پر غور کرنے سے عمران کی سازشی خط کی معمولی کہانی بھی درست اور غیر معمولی نظر آنے لگتی ہے۔

تحریک انصاف کے سیاسی مخالفین کی جانب دیکھیں تو کرپٹ قیادت کی طرح کی کرپٹ عوام کا ایک چھوٹا سا گروہ ان کے ساتھ بھی ہے جن کی نظر بہلول پور کے کھسروں کی طرح ناچتے ہوئے بھی ملکی مفاد کی بجائے صرف اپنے ذاتی مفادات پر ہوتی ہے۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ عمران کے بیوی بچوں کے گرد ہی گھومتی رہتی ہے کیونکہ یہ احمق اس قابل ہی نہیں کہ ذاتی طور پر کرپٹ نواز شریف اور کرپٹ زرداری اور کرپٹ فضلو کی طرح عمران کو بھی ذاتی طور پر کرپٹ ثابت کر سکیں۔ لہٰذا ان کو کبھی بنی گالا کے اوپر جنوں کے سائے نظر آتے ہیں اور کبھی نشہ کر کے عمران دن بارہ بجے تک سویا نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کھسروں کی جان مافیاز کے بتوں کے اندر ہے اور مافیاز کے بت مقتدر حلقوں کے لئے کام کرتے ہیں۔

اب ذرا عمران پارٹی کے طرفہ تماشے پر غور کریں تو لاڈلے میاں جب اپنی معاشی پالیسی اور غیر مدبرانہ زبان کے باعث سنجیدہ حلقوں کے بقول عوامی نفرت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے چلے جا رہے تھے اور مستقبل میں ان سے مقتدرہ نے جو اہم کام لینے تھے وہ ان پر ناکام نظر آ رہے تھے تو انہیں کرپٹ اقلیت کے ہاتھوں سیاسی شہید کے رتبے پر فائز کر دیا گیا مگر ساتھ ہی انہیں پالش کر کے دوبارہ مسند اقتدار دینے کے لئے عوام کا "ٹھاٹھیں" مارتا سمندر ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر کر دیا گیا جنہوں نے اسے کسی اوتار کا سا درجہ بخش دیا۔ لیکن ہمارے پیارے کپتان کی کمال کی اداکاری سے بڑے بڑے جغادری بھی اس الجھن میں پڑ گئے ہیں کہ خان کے ساتھ زیادتی کر دی گئی

ہے جبکہ انہیں محض تازہ دم کرنے اور کچھ تربیت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے ورنہ شاید عام دماغ بھی اب یہ جان گیا ہے کہ بھکاریوں کو بحیثیت کٹھ پتلی ہمیشہ ساتھ رکھنے کے لئے کچھ مخصوص مدت کے لئے شیروانیاں پہنائی گئی ہیں۔

لعنت ہو ہمارے سسٹم اور طرز حکمرانی پر جہاں آج پچھتر سال بعد بھی یہ عوامی بھیڑ بکریاں اپنے ہی ملک کو آگ لگا کر پاور کوریڈور کی جانب اپنے سیاسی رہنما کی کال پر رواں دواں ہو جاتی ہیں حالانکہ عام ووٹر کو مقتدر حلقے ہمیشہ ٹوائلٹ پیپر کی طرح استعمال کرتے آئے ہیں۔ اور مخالف جانب والے ساون کے اندھے اپنے ہی ڈوبتے ہوئے گھر کو بھول کر محض تالیاں پیٹ رہے ہیں اور بیانیہ یہ ہے کہ مارچ والوں کی تعداد کم ہے۔

غالباً دونوں متحارب گروہوں کو ملک کی فکر نہیں اور نہ ہی کسی کے پاس ملک کو بھنور سے نکالنے کے لئے کوئی قابل عمل معاشی ایجنڈا موجود ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ کسی نے بھی گھر سے نکلنے سے قبل اپنے ہینڈسم کپتان سے نہیں پوچھا ہو گا کہ:

1۔ حضور اگر آپ نے پی ڈی ایم سے حکومت چھین بھی لی تو کل تک آپ جیسے حکومت کرتے چلے آ رہے تھے ویسے ہی کریں گے یا اس سے بہتر آپ کا معاشی ایجنڈا کون سا ہے؟ اور ٹیم کون سی ہے؟

2۔ اس چھینا جھپٹی میں ملک کس قدر کمزور ہو گیا ہے کیا اس کی بھی خبر ہے کسی کو؟ اب اس نحیف ملک پر خدانخواستہ اس لمحے بھارت چڑھ دوڑے تو ذمہ داری کس کی ہو گی؟ یا

پھر بھی آپ بلیم گیم کھیلتے رہیں گے اور خفیہ سازشی طاقتیں اپنا ایجنڈا پورا کر لیں گی۔ یا بھارت نہ سہی فوجی جنتا ہی آ گئی تو کیا ساری کی ساری ذمہ داری دونوں جانب کے بے ضمیر ایجنٹ "سیاہ ستدانوں" کے سر نہ آئے گی؟

3۔ سری لنکا کی طرح ملک تیزی سے ڈیفالٹ کی دلدل میں دھنس رہا ہے۔ کیا مخالف سمت سفر کرنے کے لئے ہر دو جوانب کوئی قابل عمل معاشی ایجنڈا موجود ہے بمعہ قابل ٹیم؟ جس سے اشرافیہ کو چھوڑ کر باقی تئیس کروڑ عوام کا بھی بھلا ہو؟

ملک میں اگر کوئی واقعی پریشان ہے تو ملک کا درد رکھنے والے وہ مٹھی بھر سنجیدہ لوگ ہیں جنہوں نے اس ساری قبیح صورتحال سے اپنے آپ کو جدا کر لیا ہوا ہے اور یا پھر وہ تئیس کروڑ غریب اور محنت کش عوام جن کا پرسان حال کوئی نہیں۔

اب ایسے میں یہ سوچنا بنتا ہے کہ نہیں کہ یہ سارا کھیل کہیں مقتدر حلقوں کا ہی تو نہیں رچایا ہوا تا کہ وہ اپنے انہی ایجنٹ "سیاہ ستدانوں" کے ذریعے اپنا کوئی خفیہ ایجنڈا سامنے لے آئیں؟ جو صدارتی نظام حکومت بھی ہو سکتا ہے جس میں کنگ میکر کے پاس یہ آسانی ہوتی ہے کہ عمران و نواز جیسے درجنوں ایجنٹوں کی بھانت بھانت کی بولیوں کی بجائے صرف ایک صدر کو ہی آسانی سے قابو میں رکھ سکے۔ لیکن صد افسوس کہ ملک میں اتنی آگ بھڑکا کر اگر بغیر عوامی رائے کے مقتدر حلقوں کا ہی ایجنڈا چلنا ہے تو پھر چلیں کہیں ایسی جگہ چل کر رہتے ہیں جہاں قانون سب کے لئے برابر ہو۔

"قومی بحران کا مستقل حل"

کالم میٹھا سچ 508 از ڈاکٹر سلطان محمود

28 مئی 2022ء

محترم قیوم نظامی صاحب نے موجودہ سیاسی بحران کے مستقل حل کے لئے تجاویز مانگی ہیں۔ ہمارے خیال میں اگر مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائے جائیں تو پھر یقینی طور پر ہم ایک ممتاز قوم بن کر ابھر کہ سکتے ہیں:

- دس برس کے لئے موجودہ جعلی جمہوریت والا نظام سمیٹ دیا جائے۔
- دس برس کے لئے غیر جانبدار ٹیکنو کریٹس کی حکومت کسی بھی سیاسی و عسکری اثر سے آزاد رہ کر صدارتی طرز حکومت کی طرح فیصلے کرے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ناکام ہونے والے ٹیکنو کریٹ کو فوری برطرف کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔
- چونکہ ہمارے معاشرے میں ہر کوئی شخص ذاتی، سیاسی و عسکری مفادات کے بعد ریاست کے بارے میں سوچتا ہے اس لئے ملک بھر سے دس بیس ایسے اہل افراد کو اس اعلان کے ساتھ چنا جائے کی انہیں کسی بھی قسم کے مالی و ذاتی مراعات نہیں ملیں گی۔ صرف والنٹیئر ہی بن کر آئے جو آئے۔

- دیگر اقدامات کے طور پر بیوروکریسی کلاس سسٹم بتدریج ختم کر دیا جائے اور تمام فیصلے قومی اقتصادی بورڈ کرے جو خود بھی والنٹیئرز پر مشتمل ہو۔ اس بورڈ کے سربراہ کسی بھی سیاسی جماعت سے نہ لئے جائیں ماسوائے سراج الحق صاحب کے یا ان کے پائے کے کسی درویش کے بشرطیکہ وہ صاحب انتظامی امور کے بھی ماہر ہوں۔

- اگر کبھی انتخاب کرانا پڑ جائے تو بی اے سے کم والا ووٹ نہ ڈالے۔

- جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کسی کسان کے پاس سو ایکڑ سے زائد زمین نہ رہے۔

- صرف اسے سرمایہ کاری کی اجازت دی جائے جو نہ تو بنکوں سے قرضہ لے اور نہ کبھی معاف کرائے۔

- ہر لگژری آئٹم کی درآمد دس برس کے لئے معطل کر دی جائے اور سرمایہ کاروں کو ویسی اشیاء ملک میں بنانے کا پابند کیا جائے۔

- کسی بھی غذائی فصل کی برآمد پر مستقل پابندی لگائی جائے کم از کم دس برس کے لئے۔

- پچھلے پچھتر برس میں ہر قرضہ معاف کرانے والوں کی موجودہ تمام املاک ضبط کر لی جائیں۔

- موجودہ عدالتوں، افواج، خفیہ اداروں، پولیس، بیوروکریٹس، صحافتی اداروں وغیرہ کے تمام سیاسی بھرتی والے عہدے داران فارغ کر کے ان کے ایک گھر کے علاوہ تمام جائیداد ضبط کر کے نیلام کر دی جائے۔

- پچھلے پچھتر برس سے جو خاندان بھی حکومت میں شامل رہا ہے ان پر پاکستان کا کل اندرونی وبیرونی قرضہ تقسیم کر کے تین ماہ میں ہفتہ وار ایک ایک انگلی کاٹنے کی سزا سنا کر وصول کر لیا جائے۔ اور پاکستان پر چڑھے تمام قرضے اتار دیئے جائیں۔

- ہر سیاسی و مذہبی پارٹی پر قابض خاندانوں کی تین تین نسلوں پر تاحیات انتخاب لڑنے کی پابندی عائد کر دی جائے۔

- ہر مذہبی درسگاہ سے بڑی چھوٹی گدی کے تناسب سے ماہانہ ایک کروڑ سے بیس کروڑ روپے فیس وصول کی جائے اور انکار کی صورت میں پورے خاندان کو ان کے مرشد ہی کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔

- جو رشوت لے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور جو دے اس کا بھی ایک ہاتھ۔

- تمام پارلیمنٹیرینز، بیروروکریسی، فوجیوں، ججوں، صحافیوں وغیرہ سے دس برس کے لئے تمام مراعات واپس لے لی جائیں۔

- فوج کے سیاسی اور سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگز مکمل ختم کر دیئے جائیں۔

- ہر دس مرلے سے بڑے گھر کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے۔
- ہر تیرہ سو سی سی سے بڑی گاڑی کو چھین کر حکومتی پول میں رکھ لیا جائے دس برس کے لئے۔
- ملک بھر سے مذہبی مدرسے اور پرائیویٹ تعلیمی ادارے بند کر کے ہر طبقے کے لئے ایک جیسے ادارے بنائے جائیں۔
- مذہب پر پابندی لگا کر مشترکہ تعلیمی نصاب میں صرف احکام دین اسلام کے کورس شامل کئے جائیں۔
- ملک میں موجود کل اداروں میں موجود سائنسدانوں میں سے تیس فیصد کو پچاس گنا زیادہ فنڈز دے کر ترقی کے اہداف مقرر کر دیئے جائیں۔ اور ناکام رہنے والے ادارے کے پچھلے دس سال میں رہے سربراہوں کو پھانسی دے دی جائے۔
- سارے ملک کو ڈویژن کی سطح پر انتظامی صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور تمام فیصلے بھی ڈی سنٹرلائز کر دیئے جائیں۔ وفاق قطعاً صوبائی معاملات میں من مانی نہ کرے۔
- ملک میں مندرجہ بالا نقاط پر مشتمل یکساں تعلیمی نظام رائج کر دیا جائے۔

اگر یہ اہداف ہضم ہو پائیں تو فوری طور پر "قومی اخلاص کمیشن" قائم کر کے ایماندار

لوگوں کو مقابلے پر صلاحیت کے مطابق منتخب کیا جائے۔ جب تین چار سو ٹیکنو کریٹ اکٹھے ہو جائیں تو انہیں فوج، عدلیہ، صحافت، تعلیم، سائنس وغیرہ کے میدان میں تعینات کر کے قوم سے مزید دس سال مانگے جائیں اور پھر اسلامی خلافت، چینی سیاست اور امریکی جمہوریت کے ملغوبے سے "پاکستانی سیاسی نظام" کی بنیاد رکھی جائے۔ اور پھر دیکھیں کہیں بھی بے ایمان اور ترقی دشمن بندہ نظر نہیں آئے گا۔

تبصرے

سابق وائس چانسلر۔ محمد نواز

سلطان معظم یہ کوئی زیادہ سخت پوائنٹ نہیں رکھ دیے اور یہ کرے گا کون میرٹ کی ترویج بھی تو مسئلے کا حل ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر سلطان محمود

میرٹ تو بس خواب ہی رہے گا ہمارے ہاں کیونکہ اسے طاقتور سبوتاژ کرتا ہے۔ یہ نکتہ اہم ہے کہ یہ سب کرے گا کون؟ سر قیوم نظامی صاحب نے مستقل حل پوچھا تھا جو میں نے اپنی سمجھ کے مطابق بتایا ہے اگر اس کے علاوہ کوئی طریقہ ہے تو بتا دیجیے۔ ویسے بھی یہ ایک روڈ میپ ہے جسے جزوی طور پر قومی سطح کے مفکرین مل بیٹھ کر دھیرے دھیرے نافذ کر بھی سکتے ہیں بشرطیکہ نیت اچھی ہو۔

"سطحی علم" یا "سائنسدان سے زیادہ رب کو کوئی نہیں جانتا"

کالم میٹھا سچ 509 ڈاکٹر سلطان محمود

4 جون 2022ء

باقی باتیں بعد میں پہلے زعیم رشید صاحب کی خوبصورت نظم ملاحظہ کریں:

زعیم رشید کی نظم

چمکتے تاروں کی روشنی سے زیادہ روشن بدن کی ملکہ

تمھاری خاطر گلاب

ذہنوں میں کھل اٹھے ہیں

قدیم لوگوں کی داستانوں میں جھلملاتی حسین لڑکی

یہ بات سچ ہے کہ میٹھے پانی کے سارے چشمے

تمھارے ہونٹوں سے پھوٹتے ہیں

یہ آبشاروں سے نکلے جھرنے

تمھاری پازیب کی جھنک سے حسد کریں گے

سمندروں کی مچلتی لہریں تمہارے پیروں کو چومتی ہیں

اگر کبھی تم ہمالیہ کے سفر پہ نکلو۔۔۔

تمھاری نیلی چمکتی آنکھوں سے جھیل سیف الملوک چمکے

جو مسکراؤ تو دیوسائی ش کے سارے پھولوں میں رنگ اتریں

یہ لگ رہا ہے کہ فیری میڈوز کی کہانی میں تم ملو گی

تمھارے جوبن کی اِک جھلک سے گلیشئر بھی پگھل رہے ہیں

تمھاری خاطر شندور میلہ سجا ہُوا ہے

شگفتگی کے سجل جھروکوں میں چھپنے والی

ہَوا تمھاری گواہی دے گی

یہاں فراق اور ہجر کا مارا ایک شاعر

جو اپنے لفظوں کے جنگلوں سے تمہارا پیکر تراشتا ہے

اُسے یقیں ہے

کہ تم ملو گی۔۔۔۔

کہیں ملو گی۔۔۔۔

کبھی ملو گی۔۔۔۔!!!

جو نہی ہم نے مزاح میں تبصرہ کر دیا کہ جس لڑکی کے جوبن کی جھلک سے گلیشئر پگھل جائیں وہ تو سراسر ماحول دشمن اور پوری انسانیت کے لئے موت کا پیغام ثابت ہو گی۔ اس پر معزز میزبان نے ہمیں ڈانٹ دیا کہ ادب اور سائنس کو مکس نہ کریں۔ اب ہم مرتے کیا نہ کرتے۔ معذرت سے عرض کی کہ ان دونوں کو مکس کرنے سے ہی تو انسان بنتا ہے اور انسانیت کی سمجھ آتی ہے۔ تبھی تو بو علی سیناہوں یا امام غزالی انہوں نے بیک وقت دونوں علوم پر بیک وقت دسترس حاصل کی۔

مزید عرض کیا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ و آلہِ وسلّم تو عقل کل تھے۔ فرماتے ہیں "دو تین طرح کے پکوان دستر خوان پر مت رکھو" آپؐ نے صحت (سائنس) اور معاشی ادب کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔ اور ان کے تقریباً سارے فرمان سائنس اور ادب کا مکسچر ہی ہیں۔ کسی بھی حدیث مبارکہ کو اٹھا کر سیاق وسباق سمیت دیکھ لیں۔ پورا قرآن کریم ادب اور سائنس کا مرقع و مجموعہ ہے اور اس کا مخاطب صرف انسان ہے۔ ہماری اس التجا پر کہ محترمہ ہم کس بنیاد پر دونوں کو الگ الگ کر دیں؟ وہ تو چپ ہیں لیکن ہمیں شک ہوا کے سطحی سوچ، پاؤں کی موچ دے جدیدیت نے انسانی بھلائی کی خاطر جب علوم کو بے بہا وسعت دینا چاہی تو بے شمار مضامین ایجاد مارے تا کہ انسان کی بھلائی کے

رموز کو تفصیل سے سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی منشاء اور حکمت پر عملدرآمد کیا جا سکے۔ اس سے شاید زیادہ گہرائی میں نہ جانے والے یعنی سطحی سوچ والے دوست سمجھ بیٹھے ہوں کہ ادب اور سائنس دو مختلف چیزیں ہیں۔

جاری۔۔۔۔۔۔۔۔

"کند ہم جنس"

کالم میٹھا سچ 510 از ڈاکٹر سلطان محمود

4 جون 2022ء

پاکستان میں کم و بیش ہر قابل ذکر سیاستدان نے فوجی اور سول اسٹیبلشمنٹ کے ہتھکنڈوں سے تنگ آ کر ریاست اور اداروں سے شکایات کے انبار لگائے۔ سیاستدان کرپٹ سہی مگر دنیا بھر میں ہمیشہ ان کا مقام اسٹیبلشمنٹ سے اعلیٰ رہا ہے اور اعلیٰ رہنا بھی چاہئے مگر حقیقت میں بھارت چھوڑ کر امریکہ سمیت ہر جمہوری ملک میں عسکری و سول نوکر شاہی سیاسی معاملات میں مداخلت سے باز نہیں آتیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے جیسے ممالک میں اسٹیبلشمنٹ ہی حقیقت میں ملکی خزانہ لوٹتی آئی ہے مگر سزائیں اپنے ہی پالے ہوئے بدمعاش سیاستدانوں کو دیتی آئی۔ نواز شریف اور زرداری جیسے لے پالک سیاستدان ذاتی سطح سے لے کر عالمی سطح تک کے سسلین مافیا ہیں لہٰذا وہ اسٹیبلشمنٹ سے جوتے کھا کر بھی خزانے کو چوستے رہتے ہیں اور آج ریاست کو کمزور کر کے سودے بازی کے باعث بچے کھڑے ہیں جبکہ ان کی کم از کم سزا پھانسی اور انکے پورے کے پورے خاندانوں کی سیاست سے بے دخلی بنتی ہے۔ نیز ان دونوں کے خاندان کم از کم پندرہ کروڑ نفوس کو غریب کر کے ہزاروں ارب روپیہ بیرون ملک لے گئے۔

شکوریاں

کالم میٹھا سچ 511۔ از ڈاکٹر سلطان محمود

8 جون 2022ء

ہمارے ایک سال سینئر ہم جماعت عبد الشکور چوہدری عرف شکوریاں 37 سال قبل کیمبرج یو کے میں پی ایچ ڈی کرنے گئے اور حسب توقع گوروں نے ان کی قابلیت کی بنا پر انہیں نیوکاسل اپون ٹائن یونیورسٹی میں نوکری دیدی جو ابھی چل رہی ہے۔ پچھلے دنوں اڑتی ہوئی خبر سنی کہ لاہور میں بہن کے گھر میں چند روز کے لئے مقیم ہیں اور اپنی برادری والی خالص اور غالب عادت کے مطابق چپکے سے ہی واپس کھسک جانا چاہتے ہیں۔ ہم بھی اپنی برادری کی عادت سے مجبور تھے سو انہیں کسی طریقے سے ڈھونڈ نکالا بلکہ ان کی مرضی کے خلاف اپنے دفتر بلا بھی لیا۔ دو گھنٹے کی ملاقات میں لوڈ شیڈنگ کے باعث وہ ڈیڑھ گھنٹہ پسینہ ہی پونچھتے رہے اور ہم اپنی جیب میں بجلی کی بجائے ایٹم بم پال کر شرمندہ سے ہوتے رہے۔

1979 میں ہم دونوں کی مخصوص پیشہ ورانہ، سیاسی و ذہنی ہم آہنگی و پختگی کچھ ایسی تھی کہ ہم نے پروفیسر ڈاکٹر بخت بیدار خان صاحب کی سرپرستی میں فیکلٹی میں سوسائٹی آف اینیمل سائنسز بن رہا تھا لہٰذا میری تجویز پر پروفیسر بخت بیدار بھی ہنس کر راضی ہوا اور اینیمل سائنسز سوسائٹی کی بنیاد رکھی مجھے یاد ہے کہ ساس والے نام کا قرعہ اس لئے نکلا تھا کہ اینیمل سائنسز سوسائٹی (SAS)

ASS کا مخفف کے بجائے ساس کو جھیلنا پھر بھی کم اذیت ناک اور غنیمت ہے۔

کئی ماہ کلاسز کے بعد ہم دونوں دوست بائیک پر گلی گلی گھوم کر اور ایک ایک استاد سے مل کر بالآخر سوسائٹی یونین بنانے میں کامیاب ہو گئے اور پہلے انتخابات میں عبدالشکور صدر اور میں نائب صدر بنا۔ اگلے برس 1980ء میں ضیاء الحق کی جانب سے سٹوڈنٹس یونینز پر پابندی کے باعث مجھے ہی صدر نامزد کر دیا گیا کیونکہ شکور والا پہلا گروپ پاس آوٹ ہو چکا تھا۔ یعنی مجھے صدر بنوانے میں شکور میاں اور ضیاء میاں کے ساتھ ساتھ اللہ میاں کی بھی مدد شامل حال تھی۔ وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ محض برادریوں کے بل پر "نوبل پرائز" کی خواہش رکھنے والی اس یونیورسٹی میں میری برادری کے کل ڈھائی لوگ تھے یعنی باقی دو میں اسٹیٹ آفیسر میجر شفیق اور دوسرے نیوٹریشن کے پروفیسر اکمل اور کمال کی بات کہ وہ دونوں ہی مجھے نہ جانتے تھے۔

پھر میرے پاس آوٹ ہو کر لاہور شفٹ ہو جانے کے باعث ہماری خال خال ہی ملاقات رہی اور پھر آہستہ آہستہ ہم دنیا کی بھیڑ میں گم ہو گئے۔ میں حکومت پنجاب اور سسرال کو پیارا ہو گیا اور شکور کیمبرج، برسٹل اور نیوکاسل برطانیہ کے طواف کرنے لگ گیا۔ ہاں ہم دونوں ایک دوسرے کی شادیوں میں بھی شریک ہوئے بلکہ شکور کی والدہ مرحومہ بھی ایک بار لاہور میں ہمارے گھر تشریف لائی تھیں۔ 1990ء میں بھی ہم دونوں ڈنمارک میں ایک سائنس کانفرنس میں ایک دن کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے جہاں سابق ڈین فیکلٹی پروفیسر مرزا اسلم بیگ سے بھی میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ تب سے اب تک 32 برس بعد میں نے بالآخر شکور کو ڈھونڈ ہی نکالا ہے۔ یاد ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کو خوب رکھا ہوا ہے لیکن عملی ملاقات میں میں ایک بار پھر جیت گیا شاید دوبارہ شکور سے اداس ہونے کے لئے۔ ہاں مجھے شبہ ہے کہ دو بار شاید ہم نے ایک دوسرے کو خوب یاد کیا ہو گا۔ یعنی پولٹری پروڈکشن کے استاد ڈاکٹر سلطان محمود کی وفات شکور نے میری وفات

سمجھ لی ہو گی بالکل ایسے ہی جیسے میں نے وٹرنری سکول جھنگ کے ڈاکٹر شکور کی وفات کو شکوریاں کی وفات سمجھ لیا تھا۔

عظیم ڈاکٹر شکور کو دور طالب علمی میں شکوریاں ان کے ایک بذلہ سنج پنڈ فیلو طارق سلیم کہا کرتے تھے جو مقابلے کا امتحان پاس کرنے کی خاطر گوجرے سے ہمارے ہاسٹل میں ہی رہتے تھے اور مجھ سے بھی خوب گھل مل کر ملتے تھے۔ یہی طارق سلیم بعد ازاں میری ایف اے او کی نوکری میں سیکرٹری تعلیم بلوچستان کے طور پر میرے ساتھ ہی کوئٹہ بھی رہے نیز میری سیکشن افسری کے زمانے میں وہ ہمارے پنجاب کے محکمے میں ڈپٹی سیکرٹری بھی آن لگے۔ میری انوکھی "پی آر" کچھ ایسی رہی ہے کہ سال سال بھر کے ان دونوں مواقع میں میں ان سے صرف آدھا گھنٹہ لاہور سول سیکرٹریٹ میں ہی ملا۔ بد قسمتی سے وہ اس وقت اپنے باپ کی عمر کے سابق ڈی جی وہاب خان مرحوم کو ان کی کرپشن پر ڈانٹ رہے تھے۔ گو کہ اینیمل ہسبنڈری ہونے کے باعث میری وہاب خان صاحب مرحوم سے کبھی نہ بنی تھی لیکن ایک بیوروکریٹ کے ہاتھوں مجھ سے اپنے پیشے کے بڑے افسر کی ہتک دیکھی نہ گئی اور میں دل گرفتہ سا ہو کر ان کے کمرے سے ملحقہ اپنے کمرے میں واپس چلا آیا اور پھر کبھی طارق سلیم سے نہ مل پایا۔

تو بات تو ہو رہی تھی شکوریاں کی۔ اتفاق ہے یا ذہنی ہم آہنگی، میں یہاں ماحولیات کا ڈاکٹر ہوں اور پروفیسر ڈاکٹر عبدالشکور بھی گورے کے دیس میں ماحولیات ہی کے پروفیسر ہیں اور میں محض ڈیڑھ درجن لیکن وہ دنیا کے درجنوں ممالک میں ماحولیات پر کام کر چکے ہیں بشمول پاکستان کے اہم دریاؤں سندھ، راوی و جہلم پر بھی امریکی و برطانوی تعاون سے ماحولیاتی و سوشل تحقیق کرنے

سمیت۔ ڈاکٹر شکور سیدھا اور صاف ستھرے ذہن کا سنجیدہ انسان تو شروع ہی سے تھا لیکن اب اس پر گورے کی ایمانداری والی چھاپ اس حد تک لگ چکی ہے کہ انتہائی اصرار پر بھی وہ میرے یو ٹیوب چینل "تھنک ٹینک ایکو کیئر" پر انٹرویو کے لئے صرف اس لئے راضی نہیں ہوئے کیونکہ اس نے پیشگی اجازت اپنی یونیورسٹی سے نہیں لے رکھی تھی۔

اللہ انہیں پاکستان کا نام مزید روشن رکھنے کی ہمت دے۔ آمین۔ اور اب عمر کے اس حصے میں وٹس ایپ سے مفت کال پر بھی صرف بیل دینے کی ان کی عادت بھی اللہ چھڑوادے۔ ہم میں سے کسی نے بھی جمع شدہ سرمایہ قبر میں لے کر تو جانا نہیں۔ میں جب بھی دل بڑا کرنے کا کہتا ہوں تو جواب ملتا ہے کہ بڑا دل تو مرغیوں کی ایک بیماری ہے یعنی ہائیڈرو پیری کارڈیم۔

مجھے اسوقت بڑی گھٹن ہوتی ہے جب ہم ایک دو روپے کی کال کے بدلے بھی چاہنے کے باوجود کسی دوست سے بات نہیں کرتے حالانکہ ہم کبھی ایک دوسرے کے شادی بیاہ اور خوشی و غمی میں شریک رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے میں شروعات ہی سے یقین رکھتا ہوں کہ ہمیں برادریوں کے اندر شادیاں نہیں کرنی چاہئیں تاکہ خاندانوں کے منفی اثرات وعادات ضرب نہ کھاسکیں۔

"پاپا کہتے ہیں بڑا کام کرے گا"

کالم میٹھا سچ 512 از ڈاکٹر سلطان محمود

13 جون 2022ء

مگر ہم تو یہ کام کرتے ہیں۔

کیونکہ سوشل میڈیا ہی اب اصل میڈیا ہے۔

یہی ہمارا ٹائپ رائٹر، لیپ ٹاپ اور ڈیسک ٹاپ ہے۔

یہی ہماری ریسرچ، لائبریری، سرچ انجن اور اخبار ہے۔

یہی ہمارا فون، خط، ٹیلکس، فیکس، پرنٹر اور فوٹو کاپیئر ہے۔

یہی ہمارا کیمرہ، ٹارچ، ریکارڈر، ریموٹ کنٹرول ہے۔

یہی سائنسی و ادبی دنیا سے ملانے والا پل ہے۔

یہی ہمارا سینما اور شاپنگ سنٹر ہے۔

یہی فیملی اور دوستوں کو جوڑنے اور توڑنے کا اسباب ہے۔

یہیں سے اکثریت ایک دوسرے کا ذہن پڑھتی ہے۔

یہیں سے سارے مثبت و منفی رویئے جنم لیتے ہیں۔

یہیں سے طلباء تعلیم، ملازم نوکری اور تاجر کاروبار کرتے ہیں۔

یہی ہماری گھڑی، ٹائمر، الارم، کیلنڈر، ڈائری اور پین پنسل ہے۔

اسی سے دشمن جنگی ہتھیار اور جاسوسی کا کام لیتا ہے۔

اسی سے ہم ٹوائلٹ میں بیٹھے ہونے کے باوجود دفتر میں نظر آتے ہیں۔

اسی سے شریکان حیات آپس میں شکوک شبہات پالتے ہیں۔

یہی امیر و غریب کا فرق مٹا کر عیاشی کے یکساں مواقع بہم پہنچاتا ہے۔

یہی بتلاتا ہے کہ کون پاس سے گزر رہا ہے۔

اسی سے پتہ چلتا ہے کہ اسوقت یا فلاں وقت کون کدھر تھا۔

اسی کے اندر سے اپنے پسندیدہ دوست نکل آتے ہیں اور سامنے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔

اسی سے لذیذ اور من پسند کھانے نکل آتے ہیں۔

اسی سے ہم طرح طرح کے کھیل کھیل سکتے ہیں۔

یہی ہمارا بنک، چیک بک، کیش رسید ہے نیز رقومات ٹرانسفر بھی کر دیتا ہے۔

یہی وہ جام جم ہے جس سے ساری دنیا نظر آتی ہے۔

یہی دنیا بھر کے عقدے حل کر دیتا ہے۔

یہی بد کو نیک بناڈالتا ہے اور بے ایمان کو ایماندار۔

یہی نالائقوں کو پل بھر میں عالم فاضل بناڈالتا ہے۔

اسی کی بدولت ہم پیاروں سے جدا رہ کر بھی پاس ہی ہوتے ہیں۔

یہی ہمارا جہاز، ٹرین، ڈاکخانہ، پاسپورٹ اور شناختی کارڈ ہے۔

یہی ہمیں عبادات، دینی تعلیم و اخلاقی علوم سے آشنا کرتا ہے اور اس کے الٹ بھی چلاتا ہے۔

یہ خیال کی رفتار سے چلتا ہے اسی لئے اچھائی برائی دونوں میں ممد و معاون ہے۔

یہی ہمیں اللہ سے نزدیک بھی کر سکتا ہے اور دور بھی۔

یہی ہمیں اعلیٰ درجے کا منافق اور شیطان بھی بنا سکتا ہے اور نیک و پرہیز گار بھی۔

یہی ہمیں بتاتا ہے کہ اوج ثریا میں کیا ہے اور تحت الثریٰ کیسا ہے۔

الغرض یہی ہمارا منہ متھا اور منکر نکیر ہے اور یہی جب چاہے ہمارے جسم، دماغ اور روح کو آپس میں جوڑ دے اور چاہے تو توڑ دے۔

تو اگر یہ میرے روزانہ صرف دس گھنٹے لے کر مجھے پچھلی صدی کی نسبت ہزار گنا تیز اور کارآمد بنا رہا ہے تو یقیناً کسی نعمت سے ہر گز کم نہیں۔ پھر بھی یہ مجھے ابھی سونے، حوائج ضروریہ اور دیگر عوامی و عملی کاموں نیز دنیا انجوائے کرنے کے لئے 14 گھنٹے دے رہا ہے جس میں سے زیادہ تر میں ضائع کر رہا ہوں۔

"یاد ماضی بہت حسین ہے یارب۔۔۔۔

نہ چھیننا مجھ سے حافظہ میرا۔۔۔۔"!!

کالم میٹھا سچ 513 از ڈاکٹر سلطان محمود

15 جون 2022ء

غازی آباد دہلی میں مقیم میرے ماموں 92 برس کی عمر میں آج صبح وفات پا گئے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امی کے ماموں وحید اپنے والد اور بھائی کی طرح عظیم انسان تھے اور اپنے والد غلام حسین نظامی کی سچی تصویر تھے۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت کرے۔ آمین۔

ماموں وحید اور انکی فیملی سے میری ایک رات کی ملاقات ان کے گھر واقع غازی آباد دہلی میں ہوئی تھی جب میں 1989ء میں والدہ کی وفات پر وارسا سے لاہور آیا تھا بر استہ تاشقند و دہلی۔ وارسا میں بھارتی سفارت خانے کے میرے آئی سی ایس اور سنوکر کے ساتھی فرسٹ سیکریٹری مادھو سودھا گوائی نے یہ ناممکن کام کر کے دکھا دیا تھا کیونکہ بحیثیت سرکاری ملازم مجھے بھارت کا ویزہ مل نہیں سکتا تھا۔ میرے ماموں سے ملنے کے اصرار پر مادھو نے مجھے 24 گھنٹے کا دہلی کا ویزہ بھی عنایت کر دیا۔

سیٹیلائٹ ٹاؤن دہلی میں مقیم میرا بھارتی دوست صلاح الدین ان دنوں وارسا سے گھر آیا ہوا تھا۔ وہ مجھے خراماں خراماں پالم ائیرپورٹ سے کوئی بیس کلومیٹر دور ماموں کے گھر چھوڑ آیا اور اگلے دن ماموں وحید نے کسی صاحب کے ساتھ مجھے واپس جہاز پر سوار کرا دیا۔ ماموں وحید دہلی کے ادارہ ہمدرد کے جنرل مینجر ریٹائر ہوئے اور حکیم سعید کے بڑے بھائی صاحب کے دست راست تھے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں خالہ فہمیدہ سے بھی اس سے قبل لاہور میں ملا تھا جب وہ یہاں آئی تھیں۔ مگر یہ بات شاید چالیس برس پرانی ہے۔ خالہ مرحومہ لکھنوء اور آگرہ میں اردو کی پروفیسر رہیں اور بھارت کی نیشنل ہاکی ٹیم کی نائب کوچ بھی۔

ماموں وحید 1990ء اور 2000ء کی دہائیوں میں دوبار لاہور آئے مگر دونوں بار میں وطن سے دور ہونے کے باعث انہیں مل نہ سکا۔ اللہ غریق رحمت کرے یہ عظیم اور بہت محبت کرنے والے لوگ تھے۔

وارسا میں میرا بہت اچھا وقت گزرا۔ ہمارے سفارت خانے کے فرسٹ سیکریٹری کراچی کے ایاز خان، بھارتی سفارتکار دہلی کے مادھو، بنگلہ دیش کے کونسلر چٹاگانگ کے انوار الباری چودہری (ABC) اور ترکی کی تھرڈ سیکریٹری استنبول کی آیدا کافی قریبی دوست تھے اور اکثر سنوکر اور دیگر کلبز میں ویک اینڈ پر اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ہم بیشمار ممالک کے قومی دنوں پر ان کے سفارت خانوں کی دعوتوں میں بھی اکٹھے ہو جاتے تھے۔

یادِ ماضی بہت حسین ہے یارب۔۔۔۔

نہ چھیننا مجھ سے حافظہ میرا۔۔۔!!

"چاچا بحثی"

کالم میٹھا سچ 514 از ڈاکٹر سلطان محمود

18 جون 2022ء

ہمارے ایک عمر رسیدہ رشتے دار کو ہماری ذات سے کچھ بیر سا ہو گیا ہے۔ ہماری ہر بات کی مخالفت اب وہ اس تسلسل سے کرتے ہیں کہ جیسے ہمارا زہر ان کے خون میں شامل ہو چکا ہو اور ہماری موجودگی انہیں مسلسل حالت عذاب میں رکھتی ہو۔ دوسری بیماری ان کو یہ ہے کہ ہر بات کا جواب دینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہماری باتیں رد کرنے کا ان کے پاس ایک ہی طریقہ ہے کہ یا تو ہمارے الفاظ پکڑیں اور بال کی کھال اتاریں اور یا پھر ہماری کہی گئی بات کی گہرائی میں اترے بغیر اپنا بیان داغ دیں۔ چونکہ انہوں نے ہم سے ایک ذاتی قسم کا حسد پال رکھا ہے لہٰذا اکثر اوقات ہماری غیر موجودگی میں ہونے والی مختلف محفلوں میں کچھ ناقدین کے ہاتھوں بیچارے ذلیل بھی ہوتے رہتے ہیں جس کا ہمیں افسوس بھی رہتا ہے۔

ایک بار ہم نے کہیں کہہ دیا کہ اب آہستہ آہستہ نمازی کم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ فوراً بولے کہ نہیں ہماری مسجد میں کل کی نسبت آج نمازی زیادہ تھے ہم نے ایک بار یہ ابھی کہا ہی تھا کہ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے تو فوراً ہماری بات کاٹتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہمیشہ بالکل نہیں کیونکہ ہمارے سامنے والے شیخ صاحب بہت مغرور ہیں لیکن انہوں نے ابھی ابھی نئی گاڑی خریدی ہے 1992ء میں ہم یورپ سے پڑھ کر لوٹے تو انہیں بھی ملنے چلے گئے۔ جونہی انہیں پتا چلا کہ میری عالمی ادارہ

خوراک و زراعت میں نوکری بھی ہو گئی ہے تو اگلا آدھا گھنٹہ یورپ اور اقوام متحدہ کو گالیاں دیتے رہے۔

یہ بزرگ محض بیالیس برس کی عمر میں کام کاج چھوڑ بیٹھے تھے اور سارا گھریلو ملبہ بچوں کے سر ڈال دیا۔ لیکن جو کام نہیں چھوڑے وہ نماز، سگریٹ اور بحث لاحاصل۔ اندر سے شاید ضمیر کچوکے مارتا ہو گا کہ اس عمر میں لوگوں کو بہت متحرک ہونا چاہئیے کیونکہ بچے بیاہنے نیز اپنا گھر بنانے جیسے کام ابھی ادھورے پڑے ہوتے ہیں مگر چچا کی مذکورہ تینوں عادات اکثر و بیشتر ہد فاستہزا بنی رہتی ہیں۔ نماز تو خیر بہت ہی اچھا کام ہے لیکن انکی نماز کی ادائیگی بڑی عجیب ہے کہ جس کا یار لوگ ٹھٹھہ اڑانے سے باز نہیں آتے کیونکہ اکثر دعوت وغیرہ میں ہم نے دیکھا ہے کہ جہاں سب سے زیادہ جمگھٹا ہو گا وہ بیچ میں جائے نماز بچھالیں گے۔

"خبردار۔ اگر ٹس سے مس تو پھر بس"

کالم میٹھا سچ 515 از ڈاکٹر سلطان محمود

18 جون 2022ء

ایک کم علم و ناقص عقل دوشیزہ سے ہماری علمی گفتگو کچھ یوں ہوئی: آپ اپنی معصومیت کے ہاتھوں ہی شاید کنفیوز رہتی ہیں اسی لئے معاملات کی گہرائی میں جانے کا وقت نہیں بچتا ورنہ معاملات سیدھے سے ہیں۔ امریکہ کو قائداعظم نے بھی ترجیح دی کیونکہ تحریک آزادی میں روس کا رویہ معاندانہ اور امریکہ کا دوستانہ تھا۔ نیز امریکا کو بھی سوویت یونین جیسے عالمی پھڈوں میں پاکستان کی فوج کی ضرورت تھی۔ اسی لئے اس نے صرف ہماری فوج ہی مضبوط کی مگر معاشیات اسحٰق ڈار اور حفیظ شیخ جیسوں کے ہاتھ میں جان بوجھ کر دیئے رکھی تاکہ احمق عوام دال روٹی کی قیمتوں کو روتے رہیں اور "تیر اور شیر" دیئے گئے امریکی ایجنڈے پر چلتے رہیں۔

محترمہ اگر آپ زیادہ گہرائی میں گئے بغیر اس نکتے کو سمجھ لیں کہ خود مختار بننے کی جرأت عمران نے کیسے کر لی؟ مار اوئے ڈپٹی عمران کو جان لیں تو پھر واضح سی بات ہے کہ ہمیں 75 برس سے جس سے بھیک ملتی رہی ہے اس کی حکم عدولی کیسے کریں؟

لیکن جیسے ہی مذکورہ تینوں میں قومی حمیت جاگی پہلے دونوں کو خود امریکہ نے جہنم واصل کیا اور اب عمران بھی لائن میں لگ گیا چکا ہے۔ بھٹو، ضیاء اور عمران سمیت سبھی سیاستدان اور فوجی کی مدد سے اقتدار میں آئے۔

اس لحاظ سے نواز، شہباز، زرداری، لغاری و فضل خاندان وغیرہ جیسے بھڑوے سیانے ٹھہرے کہ خارزار سیاست میں رہ کر اقتدار میں بھی رہے، جان کی امان بھی پائی، (یاد رہے کہ بینظیر کا قتل مشرف کی ذاتی رعونت تھی امریکی ایجنڈا نہیں تھا) اور بے بہا دولت بونس میں بھی سمیٹ لے گئے۔

یہ دولت بھی انہیں امریکہ ہی نے آئی ایم ایف کے قرضوں کو لانڈر کرنے کی شکل میں باہر جمع کرانے میں مدد دی اور اپنے طفیلی ممالک کے بنکوں کے منہ کھول دیئے۔ ذرا غور کریں کہ ان سبھی چوروں کی رقوم چینی و روسی بلاک کے کسی ملک یا بنک میں کیوں نہیں؟

جب امریکہ نے ہماری فوج، سیاست، عدلیہ، صحافت اور تاجر برادری کا اپنا جتھہ مضبوط بنا لیا تو عمران وغیرہ کس کھیت کی مولی ہیں جو حب الوطنی کے ڈرامے کے رنگ میں بھنگ ڈالیں (بلکہ عمران نے تو بھنگ کو باقاعدہ کاروباری شکل دینے کی بھی کوشش کی تھی)۔ ملک عزیز کے اندر اور باہر امریکی نیٹ ورک اس قدر مضبوط ہے کہ "وہ" جب چاہیں چند ووٹوں کی بیساکھیاں ادھر سے ادھر کر دیں۔ یعنی جمہوریت کی جمہوریت اور بدمعاشی کی بدمعاشی۔ عالمی بنک، ایشئین بنک، آئی ایم ایف، ایف اے ٹی ایف، سعودیہ اور بیرون ملک پاکستانی وہ بیساکھیاں ہیں جن کو لرزاں کرنے سے ملکی جڑیں چٹخ جائیں گی۔

اگر پاکستان عمران کی قیادت میں چینی بلاک میں جاتا تو امریکہ کی مکمل چھٹی ہو جاتی۔ اسی لئے چودہ جماعتوں کو امریکی ایلچی کی سفارش پر محض ایک ووٹ پر اقتدار ملا ہے کہ "خبردار۔ اگر ٹس سے مس تو پھر بس"۔ اب پاکستان امریکی ایجنٹوں کے ذریعے چینی بلاک میں گھس کر غداریاں کرے گا

لیکن کب تک؟ چینی قیادت غافل نہیں۔ پٹاخے پھوٹیں گے بیچ بازار، امریکہ کے بھی اور ہمارے لوٹوں کے بھی بس آخری سال چل رہے ہیں۔

"چلو بھر پٹرول"

کالم میٹھا سچ 516 از ڈاکٹر سلطان محمود

3 اور 18 جون 2022ء

صرف چند ماہ پہلے جو کوئے عمران مخالف بخار کی حالت میں بک بکارے کرتے ہوئے مہنگائی کے خلاف شور مچانے پر طعنہ دیتے ہوئے کہتے تھے کہ "مہنگائی اسے کیا نظر آئے گی جو باپ کے پیسے پر یا حرام کے پیسے پر پل رہا ہو" اب انہیں شرم آئی کہ ابھی نہیں۔ پتا کریں کہاں ہیں آجکل؟ کہیں واقعی چلو بھر پانی میں ڈوب نہ مرے ہوں۔

ہاں یاد آئی تھی ان کے بھی باس صدر ایوب کی جب 1968ء میں چینی چار آنے کلو تھی۔ گھی ایک روپے کلو، گوشت پونے دو روپے کلو، پانی مفت، کولڈ ڈرنک ایک روپے کی، پان ایک آنے کا، کیپسٹن کی بیس سگریٹوں والی ڈبی ڈھائی روپے کی، ایمبیسی اور کے ٹو سگریٹ ڈیڑھ روپے کے، بجلی کا بل چار روپے، گیس کا غالباً دو روپے ماہانہ، فون پانچ روپے ماہانہ۔ سارے گھر کے مہینہ بھر کے سودے چار پانچ سو روپے کے۔

اب ذرا دس برس بعد کے بلاول اور مریم کے زمانے کے ریٹ بھی بتا دوں۔ چینی ہزار روپے کلو، گھی پانچ ہزار روپے کلو، بجلی دو سو روہے یونٹ، ایل این جی دس ہزار روپے کا سلینڈر، سپر پٹرول ملنا

ہی نہیں۔ سبزی گوشت چالیس ہزار روپے ماہانہ، دواؤں کا خرچہ بے حد و حساب، کفن بیس ہزار کا، قبر کی الاٹمنٹ قسطوں پر، پانی ناپید،۔۔۔۔۔

مزید کچھ بتانے کے ساتھ یہ بھی بتادوں کہ ایوب کے وقت میں میرے ابا کی تنخواہ چھ سو تا ایک ہزار ماہانہ تھی دس افراد کے گھرانے کے لئے۔ آج میری فیملی کی کمائی دو ہزار گنا سے بھی زیادہ روپے ہے ماہانہ آٹھ افراد کے لئے۔ دس برس بعد ہماری کمائی بچوں کے الگ گھر ہونے کی وجہ سے ضرورت سے سو گنا ماہانہ تک پہنچ سکتی ہے محض دو افراد کے لئے۔

عام پاکستانی کو لے لیں تو ایوب وقت میں مزدور کی دس روپے دیہاڑی تھی آج ایک ہزار ہے دس سال بعد دو ڈھائی ہزار روپے روزانہ ہو چکی ہو گی۔

ایوب وقت میں عام آدمی بھی گھر بنا سکتا تھا، سائیکل لے سکتا تھا اور سو پچاس روپے ماہانہ کی بچت بھی کر لیتا تھا۔ آج صرف خاص لوگ ہی گھر بنا سکتے ہیں۔ دس سال بعد کا تو پوچھیں مت۔

ہمارے ہاں مہنگائی نہیں بڑھی فضول خواہشیں اور میڈیا کی چکاچوند بڑھی ہے اور اپنی چادر کے اندر شکرانے سے رہنے کی تمیز نہیں رہی۔ بچے کم رونا زیادہ۔

ہن پادیو سارا کچھ۔۔۔ آئی ایم ایف اتے

"سانپ اور سیڑھی کا کھیل"

کالم میٹھا سچ 517 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 جون 2022ء

یہ زندگی بھی سانپ اور سیڑھی کا کھیل ہے۔ ذرا کھیل والا بورڈ سامنے رکھ کر دیکھیں تو شاید متفق ہو جائیں کہ ہم زندگی میں کئی بار 97 فیصد کے خلوص کو دوسروں کی نادانیوں سے ڈسوا کر 28 فیصد تک بھی گرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا کے پیچ و خم سے بچ کر متعدد لوگوں کی خاطر ہم 75 فیصد خلوص سے 94 فیصد تک کی سیڑھی بھی پلک جھپکنے میں پھلانگ جاتے ہیں مگر جب جب پاؤں بدگمانی والے سانپ کے منہ پر آتا ہم بہت نیچے جا گرتے ہیں۔ شاید صرف تین فیصد لوگ خوش قسمت ہوتے ہوں گے جو 97 فیصد کی طرح بغیر شکست کھائے کامیاب ہو جاتے ہیں وگرنہ اعتماد کی زیادتی سم قاتل کا کردار نبھاہ بھی سکتی ہے۔

یہ مثال سوشل سائنس کی ہے جو خالص سائنس کی طرح کا سو فیصد نتیجہ نہیں دیتی لیکن اسی عمرانیاتی سائنس کے حوالے سے فزکس کے ایک کلیئے کی جانب غور کریں تو شاید آپ کو یاد ہو کہ ہم کنسنٹریشن یا ارتکاز کی تعریف پڑھا کرتے تھے کہ مثلاً جب کسی محلول سے ایک محلل نکالتے جائیں تو دوسرے محلل کا ارتکاز بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آیئے سوشل اور خالص سائنس کو ملا کر دیکھیں کہ ہم ایک قوم کیوں نہیں بن سکے؟

ہمیں اس سانپ اور سیڑھی والے کھیل میں اگر سیاسی محاذ پر سیڑھیاں ہی مقدر بنتیں تو اب تک ہم چین اور جنوبی کوریا کی طرح قوم بن چکے ہوتے۔ لیکن ہمیں بار بار حکمرانوں نے سانپ کے منہ پر لا کھڑا کیا و گرنہ ہمیں قوم بننے دیا جاتا تو امریکہ کے دیئے گئے ایجنڈے کو پورا کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو قومی ترقی کی سیڑھی والے ایوبی عمل کو سانپ کے منہ پر لا کے نہ کھڑا کرتے اور صنعت و تعلیم کو نہ قومیاتے تو آج ہم قوم کی بجائے ہجوم نہ بنتے۔

ان دو زیادتیوں کے علاوہ بھٹو نے اس ملک کو ایک بار پھر سانپ کے منہ پر اس وقت کھڑا کیا جب افرادی قوت خلیج اور یورپ برآمد کرنے کا رستہ کھول دیا۔ آج نتیجہ یہ نکلا ہے کہ صنعت نہ ہونے کے باعث نہ صرف مزدور طبقہ باہر چلا گیا ہے اور غربت و بیروزگاری کے سبب آدھا ملک اندرون ملک بھی مزدوری کرنے کے قابل نہیں رہا بلکہ تعلیم بھی مذاق بن گئی ہے اور سارا بہترین دماغ یورپ اور شمالی امریکہ کو ترقی دے رہا ہے۔ اگر افرادی قوت، زرخیز دماغ اور قومی دولت غیر ممالک چلے جائیں تو پیچھے نالائقی، چوری اور بے غیرتی کا ارتکاز بڑھ جائے گا جو اب جابجا گلی کوچوں، دفتروں، فیکٹریوں حتیٰ کہ گھروں تک میں نظر آنا شروع ہو گیا ہے۔

ہمیں ترقی کے زینے بھی میسر رہے مثلاً ساٹھ کی دہائی والی صنعتی ترقی، اسی دور کی معیاری تعلیم، نوجوان طبقہ اور میسر افرادی قوت۔ یہ زینے ہمیں 28 سے اٹھا اٹھا 84 پر پہنچا بھی سکتے تھے لیکن جب ہم نے دیکھا کہ ہمیں سانپ کے منہ پر کس نے لا کھڑا کیا ہے تو پھر "اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی". پھر ایک روز بھٹو کا بھی ضمیر جاگ گیا اور اس نے کفارہ ادا کرنے کی خاطر وطن کو آئین اور ایٹم بم جیسی سیڑھیاں بہم پہنچا دیں۔ لیکن ہماری بدقسمت عوام کا پاؤں ایک بار پھر 97 پر

آن پڑا جب بھٹو نے وطن کو اسلامی بلاک بنانے والی سیڑھی لگائی اور ملک تو 28 پر جا ٹکا لیکن خود بھٹو مائنس کر دیا گیا اور بیرونی آقاؤں کے اشارے پر اندرونی کٹھ پتلیوں نے ضیاء الحق کو ہمارا حاکم بنا دیا۔

شومئی قسمت کہ اگلے 35 برس تک ملک کو کسی سیڑھی یا ترقی کا زینہ میسر نہ رہا لیکن اندرونی کٹھ پتلیوں نے اپنی طاقت برقرار رکھنے کی کوشش میں غلطی سے دوسرے بھٹو یعنی عمران کو اپنی کٹھ پتلی بنا کر آگے کر دیا لیکن اس کے فوراً سیڑھی میں ڈھل جانے کی پاداش میں اسے ذاتی طور پر سانپ کے خانے میں ڈال دیا ہے۔

اگر کسی کو توفیق ہو تو سیاسی گند بھرے دماغ کی بجائے ایک محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے سوچیں کہ ہم کیوں دیوالیہ پن کی طرف تیزی سے لڑھکتے جا رہے ہیں؟

" چیونٹی کے پر"

کالم میٹھا سچ 518. از ڈاکٹر سلطان محمود

5 جولائی 2022ء

پاکستان میں مارشل لا کب لگتا ہے۔ کیوں لگتا ہے۔

آج 5 جولائی ہے۔

پاکستان میں لگنے والے مارشل لا میں سے ایک طویل ترین ضیاء الحقی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی آج برسی ہے

میں اپنے اب تک کے مطالعہ۔ سمجھ بوجھ وجدان اور صحافتی تجربہ کی بنیاد پر جو تجزیہ اخذ کیا ہے۔

پاکستان میں مارشل لا اس وقت لگتا ہے جب امریکا بہادر نے بر صغیر، مشرق وسطی میں کوئی گیم چینجر کاروائی کرنا ہوتی ہے تو حفظ ماتقدم کے طور پر پاکستان میں فوجی حکومت بنوادی جاتی ہے کیوں اس طرح انکو اڈے مل جاتے ہیں۔ بندر گاہ مل جاتی ہے مفت راہداری کی سہولت مل جاتی اور لاجسٹک سمیت ہر قسم کا تعاون مل جاتا ہے جو جمہوری حکومت میں نہ ملنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ فوجی حکومت میں فرد واحد فیصلے کر رہا ہوتا۔ فیصلہ لینے میں پارلیمنٹ میں ہونے والی

بحث والا وقت ضائع نہیں ہوتا۔ فوجی حکومت کسی کو جواب دہ نہیں نہ ہی انکی سیاسی ساکھ ہوتی ہے نہ ہی انہوں نے اگلا الیکشن لڑنا ہوتا ہے۔ لیکن اپنے اقتدار کو دوام دینے کیلئے وہ غلط ملط فیصلے کرتے جاتے ہیں۔ اسکے عوض ان حکمرانوں کو دورہ امریکا کی دعوت دی جاتی امریکی صدر انکا استقبال کرتا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو امریکا کی حمایت حاصل ہے ہن ستے خیراں نیں۔ فوجی حکومت کے قیام سے قبل کم از کم ایک سال پہلے منصوبہ بندی کے تحت جمہوری حکومت کو کمزور کرنا شروع کیا جاتا ۔ معاشی مشکلات پیدا کر دی جاتی ہیں۔۔ بندے توڑے جاتے ہیں۔ حکومت دن بدن کمزور ہو کر مفاد پرست سیاست دانوں کے ہاتھوں بلیک میل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ معاشی مشکلات بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ معاشی مشکلات کے شکار افراد سمجھتے ہیں انکی مشکلات حکومت وقت کی وجہ سے ہیں اس ذمہ داری کا حق دار سیاسی حکومت کو قرار دلوانے کیلئے میڈیا سے کمپین چلائی جاتی ہے کبھی صنعتی ترقی کبھی نظام مصطفی کبھی کشمیر کی آزادی کے نام پر اور کبھی بد عنوان سیاست دانوں سے نجات کے لئے ۔ بلآخر عوام نکو نک آجاتی ہے اور چاہتی ہے کہ شامو پہلے پہلے حکومت گھر چلی جائے تا کہ سکھ کا سانس آئے۔

بات سو فیصد ایسی ہی ہے لیکن یہ ماضی کا منظر نامہ ہے۔ اب امریکہ کو ایسی تمام سہولتیں جمہوری حکومتوں میں بھی میسر ہیں اس لئے لگ بھگ بیس برس قبل امریکہ اور فوج نے میثاق جمہوریت کروا کر ملک لٹیروں کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور تب سے ملک میں غیر اعلانیہ مارشل لاء نافذ ہے۔ اسی دوران نواز شریف کے بار بار میثاق توڑنے کی فطرت کے پیش نظر قومی منظر نامے میں عمران کو بغل بچہ بنا کر پیش کیا گیا لیکن ہم نے 2012ء ہی میں فیس بک پر پیشین گوئی کر دی تھی کہ عمران اپنے مزاج کے مطابق زیادہ عرصہ کسی کے تسلط میں نہیں رہنے والا لہٰذا اسے کے پی میں حکومت

دے کر پہلے تربیتی مرحلے سے گزارا گیا اور پھر اندرونی اور بیرونی طور پر مکمل قابو میں رکھنے کے لئے اسٹیبلشمنٹ کی ایک مشہور پیر پارٹی کے ذریعے اقتدار دے کر مکمل ڈکٹیشن زدہ ماحول میں ساڑھے تین برس رکھا گیا لیکن یہ مکمل ٹاؤٹ نہ بن سکا۔ اگر عمران ایک نارمل اور دانشمند انسان ہوتا تو اس نادر موقعے کو نواز شریف کی طرح نہ کھوتا گو کہ اس کرپٹ پیر پارٹی نے اسے بہت قابو کیا لیکن یہ بے لگام ہی رہا حالانکہ ایک موقعے پر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ اسٹیبلشمنٹ اسے 2028ء تک کھینچ لے جائے گی۔ قصہ مختصر یہ ملک امریکہ ہی کی کالونی ہے اسی کی مرضی سے چلنا ہے چل بھی رہا ہے۔

"اتفاق فاؤنڈری کی پلاننگ"

کالم میٹھا سچ 519 از ڈاکٹر سلطان محمود

14 جولائی 2022ء

موجودہ حالات میں بھی ایسا ہی ہے۔ نواز شریف سے پروا سٹیبلشمنٹ بھائی شہباز بظاہر الگ کر کے حکومت کرنے کے لئے نوکری پر رکھ لیا گیا ہے۔ ان کا ابا میاں شریف نہایت عیار شخص تھا اور پاکستان میں اصل طاقتوں کا کھیل خوب سمجھتا تھا۔ اس نے ایک بیٹا اصل طاقت یعنی اسٹیبلشمنٹ کے لئے تیار کر کے ان کے حوالے کیا اور دوسرا بدھو سا کھاؤ بیٹا انجینئرڈ سیاست کے ڈراموں کے حوالے کر دیا تا کہ دونوں باری باری تا دیر حکومت میں رہ سکیں لیکن اس کا اصل کارنامہ دونوں چوں چوں کے مربوں کو بظاہر یکجا رکھنا تھا۔ پھر دونوں نے اپنے اپنے انداز میں اپنی نسل آگے کرنا شروع کر دی ہے جو تا دیر اسٹیبلشمنٹ کا بھرم رکھے گی۔ میاں شریف کے ان تحفوں کی آبیاری ہمیشہ جنرل جیلانی سے لے اب تک کے فوجی جرنیلوں نے کی ہے بلکہ حصہ ملنے تک آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ پلاننگ کے مطابق اصل ووٹ بنک آج بھی نواز شریف کا رکھا گیا ہے جس کا فائدہ چھوٹے بھائی شہباز کو پہنچ رہا ہے اور شہباز کے اندرونی تعلقات کے باعث نواز کو مستقبل میں استعمال کرنے کے لئے آج بھی زندہ رکھا گیا ہے۔ بد قسمتی سے دونوں بندر چاہے لڑیں یا کھیلیں بیڑہ غرق قومی خزانے کا ہی کرتے ہیں۔ ضمناً بتا دوں کہ زرداری نے بھی کچھ ایسی ہی پلاننگ کر رکھی ہے اس نے بیٹا شہباز جیسا بنایا ہے جو اصل طاقتوں کو براہ راست قبول ہے لیکن عنقریب نواز جیسی شخصیت بھی اسی خاندان سے ابھرنے والی ہے جسے مرتضیٰ بھٹو کی فیملی سے لیا جائے گا۔ اگر ایسا ہی

چلتا رہا تو اسٹیبلشمنٹ ہی اس صدی کی حکمران ہو گی کیونکہ ملاں لوگ تو پہلے ہی سے ان کی جیب میں ہیں۔ قصہ مختصر ملک عزیز اصل جمہوریت سے کوسوں دور رہے گا اور پاکستان کم از کم مزید سو سال اپنے ڈھنگ سے چلتے ہوئے ترقی کرے گا لیکن چین یا کوریا کی طرح ترقی نہ کر پائے گا۔

"وادی کوئٹہ"

کالم میٹھا سچ 520 از ڈاکٹر سلطان محمود

16 جولائی 2022ء

یہ ILU ILU والا نغمہ مجھے تیس برس قبل اقوام متحدہ کے ادارے عالمی ادارہ خوراک و زراعت میں UNOFAO میں UNDP کی فنڈنگ سے پوسٹنگ کے زمانہ میں کوئٹہ لے گیا ہے۔ مقام تھا وٹرنری ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی عمارت سریاب روڈ کوئٹہ۔ جب صبح ٹھیک آٹھ بجے یو این او کی بڑی سفید لینڈ کروزر پر جلی حروف میں نیلے رنگ سے UNO لکھی گاڑی پر ڈرائیور لالہ کریم مجھے پہلے دو ماہ چمن ہاؤسنگ سکیم اور پھر شہباز ٹاؤن والے گھر سے لینے آتا تھا تو اس وقت آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس سے سودا گر فلم کا یہ والا گیت دھیمی آواز میں بج رہا ہوتا تھا۔ آج بھی یہ گیت سن کر میں اسی رومانس میں جا پھنسا ہوں۔

وارسا کی خنک ہواؤں سے نکل کر اللہ نے مجھے کوئٹہ کی سرد دسمبر کی ملتی جلتی صبحیں عطا کی تھیں۔ لندن سے خریدے گئے میرون کلر کے ٹو پیس سوٹ میں ملبوس اسوقت کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لئے ہنگری کے بنے سافٹ بلیک بریف کیس کے ساتھ جب یورپ پلٹ ڈاکٹر سلطان محمود سے جو بھی ملتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا بالخصوص لائیوسٹاک، فارسٹری اور کمیونٹی ڈویلپمنٹ حکومت بلوچستان کے اکابرین۔ نیز وزیر اعلیٰ ظفر جمالی کے دفتر سے ڈپٹی کمشنر میرے کزن عابد سعید، فواد حسن فواد، اوریا مقبول جان اور بیشمار حکومتی مشینری یعنی ڈی جی ڈائیریکٹر و سیکرٹری وغیرہ بلا شرکت غیرے

متاثرین سلطان نظر آتے تھے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ انکو امریکا کی حمایت حاصل ہے ہن ستے خیر اں نیں۔ فوجی حکومت کے قیام سے قبل کمازاس ڈاکٹر کی بلوچستان کے واحد گرنڈلیز بنک میں مینیجر عون صاحب نے پریارٹی لگار کھی تھی۔ مجھے صرف مینیجر کے کمرے میں جاکر کافی پینی ہوتی تھی اور عملہ بھاگ بھاگ کر میرا کام کر رہا ہوتا تھا۔ چونکہ زیادہ تو غیر ملکیوں کے اکاؤنٹ واحد اسی بنک میں ہوتے تھے تو اس دوران اگر کوئی گورا بھی مینیجر کے کمرے میں آجاتا تھا تو کافی انجوائے کرنے کے علاوہ مجھ سے ہمکلام ہونے پر خوشی محسوس کرتا تھا۔ میں اس وقت گنتی کے چند ڈاکٹروں میں شمار ہوتا تھا اور غالباً واحد نوجوان یورپیئن ڈاکٹریٹ ڈگری ہولڈر بھی ہونے کے ناطے بلا کی انگریزی سے سبھی کو گھائل کرتا چلا جاتا تھا۔ سیرینا ہوٹل میں ناشتے اور ڈنرز، لورڈز ہوٹل میں عالمی اداروں کے ساتھ میٹنگز کے باوجود بھی کبھی میرے دماغ نے آسمان نہیں چھوا۔

یہ کوئٹہ اور دیگر تیرہ اضلاع کا میرا سفر بمع جی ٹی زی جرمنی فنڈ ڈبی آر ایس پی پانچ برس جاری رہا اور پھر وہ دن بھی آگیا جب کم و بیش آدھے بلوچستان کو فتح کرتا ہوا میں لاہور سیکریٹریٹ میں آپہنچا۔ کوئٹہ کے علاوہ پنجاب سے جڑے بارکھان عیسیٰ خیل سے لے کر کراچی سے متصل حب اور لس بیلہ تک اور پھر مستونگ و قلات سے لے کر سبی اور سندھ کے ضلع جیکب آباد تک نیز پشین سے لے کر ہرنائی تک منزلیں مارنے والا یہ سلطان اس اللہ کا بے حد شکر گزار ہے کہ جس نے ہمیشہ عزت سے پیسہ اور تجربہ حاصل کرنے کے کامیاب مواقع کے ساتھ پیشہ ورانہ سفر جاری رکھنا ممکن بنایا اور دوستوں کے دل میں محبت اور دشمنوں پر ہیبت طاری رکھی۔

"ہمارے پلانر سو نہیں رہے"

کالم میٹھا سچ 521 از ڈاکٹر سلطان محمود

18 جولائی 2022ء

یوکرائن جنگ یورپ میں نیٹو کے ہاتھ پاؤں باندھ کر امریکہ کا چین کی جانب سے بازو مروڑنے کی ایک سوچی سمجھی مہم ہے۔ اگلے چند سالوں میں امریکہ بے حد زخمی ہو کر یورپ سے بھی نکل بھاگے گا۔ اور اپنی سرحدوں میں گھس کر اگلے پچاس برس اپنا سانس درست کرتا رہے گا اور چین روس پاکستان بھارت و ایران وغیرہ ایک مضبوط بلاک کی شکل میں اپنی اقوام متحدہ اور اپنے ورلڈ بنک کے ساتھ دنیا کے اہم ترین 57 ممالک کے ساتھ لگ بھگ ایک صدی چینی قیادت میں حکومت کریں گے۔ پاکستان اور بھارت ایک معاہدے میں بندھ کر باہمی رضامندی سے ترقی کرتے چلے جائیں گے۔ گو کہ اسوقت گوادر پاکستان کے کنٹرول میں نہ ہو گا لیکن کشمیر بھی بھارت کے قبضہ میں نہیں رہے گا۔

ہماری آئی ایس آئی نے ایک طویل پلاننگ کے تحت امریکہ کو ایشیا سے باہر پھینک دیا ہے اور عمران کو پاکستان کی قیادت کے لئے 2012ء سے ہی منتخب کر لیا ہوا ہے لیکن بد قسمتی سے خان اپنی کمزور ٹیم کے ساتھ چونکہ عالمی طاقتوں کے پاکستان میں کھیلے جا رہے سیاسی کھیل پر اندرونی طور پر ناکام

ہوتا نظر آ رہا تھا اس لئے ہمارے اندرونی آقاؤں نے عمران کو عالمی سطح پر قابل قبول بنانے کی تربیت کرنے کے لئے خود رگڑا دیا ہے تاکہ وہ کم از کم 2028ء تک ارض پاک کی قیادت کرنے کے قابل ہو سکے۔ چونکہ پاکستان نے امریکی کیمپ سے نکلنا ہی نکلنا ہے اس لئے ہمارے اندرونی محاذ پر شدید امریکی رسوخ کا وقتی فائدہ اٹھا کر حکومت لے کر نون اور پی پی نے ہمیشہ کے لئے اپنا خود بیڑہ غرق کر لیا ہے اور تمام نامقبول فیصلے کر کے عمران کی نااہلیت کی کالک اپنے منہ پر مل لی ہے اور عمران کو دوبارہ نومولود شفاف بچہ بنا کر ساری عوامی حمایت اس کی جھولی میں ڈال دی ہے۔ اس حکمت عملی سے امریکی اثر و نفوذ کی پاکستان میں جڑیں اکھاڑنے میں آسانی ہو گی۔ اور بالآخر عمران کے ذریعے پاکستان چینی اتحاد کا حصہ بنے گا۔

"قومی مشاورت"

کالم میٹھا سچ 522 از ڈاکٹر سلطان محمود

20 جولائی 2022ء

لاکھ اختلاف کے باوجود اس حقیقت سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے کہ جس سیاسی و مذہبی تحریک میں پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا لکھا طبقہ شامل ہے وہ جماعت اسلامی ہی ہے۔ امیر جماعت جناب سراج الحق صاحب نے ملک کو معاشی بحران سے نکالنے کے لئے تھنک ٹینکس کا ایک قومی مکالمہ شروع کر رکھا ہے جس کا پہلا اجتماع اسلام آباد مگر آج لاہور میں دوسرا اکٹھ ہوا۔

خوشگوار حیرت اس وقوعہ پہ ہوئی کہ دس بڑی مذہبی جماعتوں کے اکابرین ایک ساتھ نظر آئے جن میں جماعت کے تقریباً سبھی بڑوں کے علاوہ تحریک فقہ جعفریہ، تحریک اہل حدیث، تحریک منہاج القرآن، جماعت الدعوہ، تحریک لبیک پاکستان، تنظیم اسلامی وغیرہ ایک ہی پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ بلکہ اس وقت مذہبی جماعتوں بارے میرے خدشات دم توڑنے لگے جب تحریک فقہ جعفریہ کے علامہ جواد نقوی نے مولانا مودودی کا رحمتہ اللہ علیہ کہہ کر ذکر کیا۔ علامہ ابتسام الٰہی تو میرے قریب والی نشست پر تشریف فرما تھے اور حاضری شیٹ پر ہمارے نام بھی ساتھ ساتھ درج ہوئے۔

سیاسی جماعتوں میں نون لیگ، تحریک انصاف اور شاید پیپلز پارٹی کا نام بھی پکارا گیا۔ ماہرین معیشت میں یونیورسٹی اساتذہ خصوصاً پنجاب یونیورسٹی والے نمایاں نظر آئے۔ کئی ایک اینکر اور صحافتی تنظیموں کی بھی شمولیت رہی جن میں سے مجیب الرحمٰن شامی صاحب نمایاں تھے۔ پاکستان کے اہم سماجی رہنماء جن کا نام نوبل پرائز کے لئے منتخب ہو چکا ہے یعنی اخوت تنظیم کے بانی ڈاکٹر امجد ثاقب صاحب کو اپنے درمیان پا کر بے حد خوشی ہوئی۔ علاوہ ازیں متعدد وفاقی سیکریٹری، سابقہ اراکین پارلیمنٹ، اراکین لاہور چیمبر آف کامرس، منی چینجر ایسوسی ایشن، نمائندہ خواتین بھی موجود تھیں نیز کئی ایسی اہم شخصیات کی موجودگی بھی میرے لئے قابل صد احترام تھی جن کے نام کی درج شدہ پرچی کہیں اٹھتے بیٹھتے گم ہو گئی۔

میرے زرعی یونیورسٹی کے ناظمان جمیعت جناب حافظ وصی محمد صاحب اور جناب شاہد اسلم صاحب کی خصوصی توجہ بھی شامل حال رہی جن سے گزشتہ چالیس برس میں خال خال ہی ملاقات رہی بلکہ مجھے حافظ وصی محمد خان کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ہے جن کی دعوت پر ملکی کریم پر مشتمل رنگارنگ گلدستے سے میں آشنا ہوا اور سٹیج پر سے میری اس تھنک ٹینک فورم میں موجودگی کا اعلان جناب ڈاکٹر فرید پراچہ صاحب نے کیا۔ بیس مقررین کے مختصر ترین خطاب کے باوجود سٹیج سے ہم کچھ ماہرین کے ناموں کا اعلان یہ کہہ کر کیا گیا کہ ہم اپنی تجاویز تحریری طور پر دے دیں جو میں نے ادھار نہیں رکھا اور وہیں اپنی شفارشات بذات خود جناب اظہر اقبال حسن صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں۔

ررش ترستا 27 جولائی 2022ء

پچھلے ہفتے طاہر ڈنڈسا کے پروگرام میں ۔۔۔۔۔۔ نے بتایا تھا کہ پچھلی دو دہائیوں سے پاکستان کے پاس صرف گیارہ بحری جہاز ہیں۔

- جب کہ ہر سال سامان کی ترسیل کے لیے کئی ارب ڈالر کرائے کی مد میں دینے پڑتے ہیں۔
- بحری جہازوں کی تعداد بڑھانے سے ملک کو ہر سال سات ارب ڈالر کا فائدہ ہو سکتا ہے۔
- دنیا بھر بحر ہند کی تجارتی گرز گاہوں سے پورا فائدہ اٹھا رہی ہیں۔
- ملک میں جاری سیاسی عدم استحکام سے جان چھوٹے تو ہم ان معاملات پر بھی غور کر سکیں جنہیں حل کر کے بھارت اور بنگلہ دیش ہم سے کوسوں آگے بڑھ گئے ہیں۔

غالباً 1975ء یا 1980ء تک پاکستان دنیا بھر میں شپ بریکنگ انڈسٹری میں یونان کے بعد دوسرے نمبر پر تھا۔ اب سالانہ دو جہاز توڑے جاتے ہیں۔ اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو یہ ظلم چالیس سال تک حکومت کرنے والے غداروں نے کیا۔ 1974ء میں پہلا وار بھٹو نے صنعتیں قومیا کر کیا اور دوسرا وار شریفوں نے اتفاق فاؤنڈری کے استحکام کے لئے یہ انڈسٹری بند کر کے کیا۔

"اچھائی برائی کی چشمک"

کالم میٹھا سچ 524 از ڈاکٹر سلطان محمود

27 جولائی 2022ء

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز۔۔۔

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی۔۔۔!!

شرار بولہبی کے پرستار، مفاد پرست اور لوٹ مار ذہنیت والے لوگوں کے پلے کچھ اچھا ہو تا نہیں اور اندر سے انہیں خفت اور حسد کے کیڑے اس شدت سے کاٹتے ہیں کہ جب ان کے سامنے عمران کا نام آتا ہے تو ان کے اپنے ہی رذالت بھرے رہنماء انہیں یکدم ہیچ اور کمینے محسوس ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے ماشاءاللہ پڑھے لکھے طبقے کی ایک برائی یہ ہے کہ اپنی بات پر اڑے رہنا اور اگر ایک دفعہ کہہ دیا کی میرے رہنما کی گائے کا گوبر دراصل گاجر کا حلوہ ہے تو پھر مرتے دم تک دوسرے کے پسندیدہ رہنما کے گاجر کے حلوے کو گائے کا گوبر ہی کہتے رہیں گے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق سوچ کے لحاظ سے ہماری قوم بظاہر تین طبقات میں منقسم ہے۔ خجالت اور رذالت بھرے دس فیصد اذہان، باضمیر اور ملک کے خیر خواہ دس فیصد اور باقی اسی فیصد ریلو کٹے یعنی جدھر چمک دیکھی ادھر ہی مڑ گئے مگر یہ والی غالب اکثریت شخصیت پرستی کے ساتھ ساتھ دھرتی ماں سے محبت کا بھی شعور رکھتی ہے، یہ اکثریت جب جھوٹ اور منافقت کے سحر میں

گرفتار ہوتی ہے تو پہلے طبقے کے رہنماؤں کے ساتھ مل جاتی ہے اور بدی کی قوتوں کو مزید مضبوط کر دیتی ہے اور جب پے در پے جوتے کھا کر ذلیل ہو جاتی ہے تو پھر دوسرے دس فیصد کو اپنا آسرا سمجھ لیتی ہے اور اچھائی کی طاقت کا بول بالا کر دیتی ہے۔

ہماری ستر سالہ تاریخ نے ہمیں یہی سبق دیا ہے کہ گو کہ سبھی سیاستدانوں کو اسٹیبلشمنٹ ہی نے متعارف کرایا لیکن ان میں بھٹو اور نواز شریف کو اسی 80 فیصد نے اپنا پیار بھی لٹا دیا اور وہ ملکی تاریخ کے بلند ترین سنگھاسن پر براجمان رہے اور بار بار رہے لیکن اپنی ذہنی خباثت کے باعث بتدریج اسی اکثریت کے ہاتھوں ذلیل و رسواء بھی ہوتے چلے گئے۔ عوام کے اس اکثریتی طبقے نے ان کی لوٹ مار کو قطعاً اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور انہیں اوج ثریا سے تحت الثریٰ میں دے مارا صرف اس وجہ سے کہ وہ اکثریت کا حق کھا گئے۔

پھر اسی اسٹیبلشمنٹ نے وہ ہیرا ابھی ڈھونڈ نکالا جسے چشم زدن میں اسی 80 فیصد نے پلکوں پر بٹھا لیا یعنی اسے بدی کی قوتوں کے مقابل اچھائی کا پروانہ تھما دیا۔ عمران کی ذاتی شفافیت کا ثبوت اس سے بڑا کیا ہو گا کہ مخالف قوتیں لرزتے ہاتھوں سے اس کی ذات کو نشانہ بنانے کے لئے اس کے ارد گرد کے ساتھیوں کے سکینڈل نکال رہے ہیں اور ابھی تک بھٹو اور نواز شریف کی طرح اس کے ذاتی سکینڈل اچھال نہیں پائے یا پھر اس کے ماضی کی لغزشوں کو اچھال کر بغض نکالتے رہتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ برائی کی معراج کو چھو کر جب کوئی اچھائی کی جانب پلٹتا ہے تو پھر زمانے کے خدا اسے جھکا نہیں پاتے۔

ذرا غور کریں اور اسٹیبلشمنٹ کے کردار سے تھوڑی دیر کے لئے ہٹ کے دیکھیں تو بھٹو، نواز شریف اور عمران خان تینوں کو دو تہائی سے بھی زائد عوام نے قبولیت بخشی۔ یہی محبت بینظیر کو بھی مل گئی تھی لیکن مشرف اور زرداری کی بریکٹ اسے کھا گئی۔ بھٹو کو زرداری کھا گیا، نواز شریف کو لالچ اور لوٹ مار کا کیڑا کھا گیا اور عمران کو عالمی مندی اور نااہل ٹیم مسلسل رسوا کر رہی تھی کہ اب اسٹیبلشمنٹ کے پاس اس کا یہی ایک حل تھا کہ اسے وقتی طور پر گرا کر عوام کو ایک بار پھر چوروں کا چہرہ دکھا کر ڈرایا جائے تاکہ 80 فیصد عوام پھر سے اچھائی کی قوت کی جانب لوٹ آئے جو کہ آج رات تک کی بدلتی صورتحال سے لگتا ہے کہ عوام لوٹ آئی ہے۔ اب عمران کی مقبولیت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ شفاف ترین انتخابات میں بھی اس کے دو تہائی طلسم کو توڑا نہیں جا سکتا نیز اسی وجہ سے اب کے انتخابات شاید شفافیت کا ریکارڈ بھی توڑ ڈالیں۔

بہادر شاہ ظفر کی حکومت جیسے دہلی شہر سے پالم کے ہوائی اڈے تک ہی رہ گئی تھی وہی صورتحال اب شہباز شریف کے ساتھ ہے جس کے ہاتھ سے سندھ سمیت چاروں صوبے نکل گئے ہیں۔ اب اگر اسٹیبلشمنٹ ملک میں ڈنگ ٹپاؤ یا وسط مدتی حکومت بنا کر اکتوبر میں شفاف الیکشن کرا دیتی ہے تو عمران پھر 2028ء تک وزیر اعظم رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ صدارتی نظام لا کر صدر بن بیٹھے اور بدی کی قوتوں کے سینے پر مونگ دلتا رہے۔ حوالے کے لئے ڈیڑھ سال قبل میرا لکھا گیا کالم میٹھا سچ 402 "عمران 2028ء تک" دوبارہ ملاحظہ کریں۔

https://www.facebook.com/189942511457923/posts/1119258448526320/?sfnsn=scwspmo

"عمران بھی لنگڑا ہی رہے گا"

کالم میٹھا سچ 525 از ڈاکٹر سلطان محمود

31 جولائی 2022ء

اگر طبقاتی کشمکش کا فلٹر لگا کر دیکھیں تو ہمارا ملک اسوقت الیٹ کلاس (طبقہ بد معاشیہ) کی چھینا جھپٹی کا شکار ہے اور ملک کے معاشی ڈیفالٹ سے مکمل غافل ہے۔ سیاستدانوں کو تو اسٹیبلشمنٹ نے کرسی کے پیچھے لگا دیا ہے اور سارے ملک کی ترقی کا گلہ گھونٹ کے رکھ دیا ہے۔

اس سے بڑی ہماری سبکی اب کیا ہو گی کہ آرمی چیف نے محض 1.2 ارب ڈالر کے قرض کی خاطر علی الاعلان امریکہ کے پاؤں پکڑ لئے ہیں حالانکہ وہ تو پہلے بھی یہ کام کرتے تھے لیکن پردے کے پیچھے رہ کے۔ ہماری اسٹیبلشمنٹ اور سیاستدانوں نے آخر کار اس ملک کو امریکہ کی رکھیل والے راز کو کھول کر ہی رکھ دیا ہے۔ اب عمران کی بھی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ وہ جس کرسی کے پیچھے پڑا ہے وہ اگر دوبارہ وہاں پہنچ بھی گیا تو لولا لنگڑا ہی رہے گا۔

"خواب دیوانہ، تعبیر احمقانہ"

کالم میٹھا سچ 526 از ڈاکٹر سلطان محمود

31 جولائی 2022ء

پاکستانی دولت لوٹ کر بیرون ملک جمع کرنے والے گروہ کا ایک گرو ملک سے باہر بیٹھ کر اپنے آخری ایام زندگی میں اللہ اللہ کرنے کی بجائے اب بھی اس دولت کو اپنے ابا کا کاروبار ثابت کر رہا ہے اور پروپیگنڈا کی ماہر مغربی ایجنسیوں کی مشاورت سے بیرون ملک بھاری سرمایہ لگا کر سعودیہ، دوبئی، قطر، برطانیہ اور امریکہ میں پھیلی اپنی بیشمار دولت کو اپنے ابا کی کاروباری حکمت عملی سے تعبیر کر رہا ہے۔ اس پروپیگنڈے کو اندرون ملک بھوکی اور بھولی پاکستانی عوام کو کسی نئے دھوکے میں مبتلا کرنے کے لئے زر خرید صحافیوں کے علاوہ پچھلے پینتیس برس سے مختلف اہم اداروں میں بٹھائے گئے اپنے حاشیہ برداروں کو بھی خوب استعمال کر رہا ہے۔

ان خبروں کے آنے پر کوئی دیوانہ کسی خواب کی سی کیفیت میں چلا گیا ہے اور اوپر سے اس خواب کی ایک احمقانہ تعبیر بھی لے بیٹھا ہے۔ وہ سوچتا ہے اور مشورہ دیتا نظر آتا ہے کہ نواز شریف اب اپنی آخرت کی فکر کرے اور میڈیا و دیگر ایجنسیوں پر پیسہ لگانے کی بجائے آئی ایم ایف سے لئے گئے بیرونی قرضوں سے لوٹی گئی رقم اپنی بخشش کے نام پر ورلڈ بنک کے پاکستان پر چڑھے قرضے اتار کر ہیرو بن جائے۔

نیز وہ مزید یہ بھی سوچ رہا ہے کہ زرداری، عمران، چند بڑے جرنیل، جج، بیوروکریٹ، مذہب کے نام پر بننے والی سیاسی گدیاں اور لوٹ مار کرنے والی ملک ریاض سمیت کاروباری شخصیات بھی اپنی عاقبت کی فکر کریں اور اپنی ہی مادر وطن میں کی گئی لوٹ کھسوٹ کو پاکستان کے اندر دوبارہ لا کر لاغر عوام کے پیٹ بھرنے کے لئے اہم سیکٹرز میں سرمایہ کاری کریں۔

اگر دیوانے کے اس احمقانہ خواب کی ایسی ہی کوئی خوبصورت تعبیر ممکن ہو جائے تو اکیلا نواز شریف صرف لوٹی دولت ہی واپس کر کے پاکستان کے تمام اندرونی بیرونی قرضے اتار سکتا ہے۔

نواز شریف کے مقابل ذرا کم درجے کے ڈاکو لوٹی دولت واپس کر دیں تو پاکستان اندرونی طور پر بے حد مستحکم ہو جائے اور اپنے متوقع عالمی کردار میں کم از کم بنگلہ دیش ہی کے برابر آ جائے تو یہ تعبیر بھی کچھ کم خوبصورت نہیں رہے گی۔

ملک کو اندرونی طور پر مستحکم کرنے کے لئے جہاں سرمایہ کاری کرنے سے مثبت نتائج نکل سکتے ہیں ان میں تعلیم، صحت، تجارت، سائنسی ترقی، انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ساتھ نوجوانوں کی تکنیکی میدان میں تربیت بھی شامل ہے ۔

"علم کی شکست"

کالم میٹھا سچ 527 از ڈاکٹر سلطان محمود

05 اگست 2022ء

ویسے شاگردی ذوق کے مطابق تو آپکے خیالات بہت حد تک لائق تحسین ہیں لیکن مجھے یہ بات آج تک سمجھ نہیں آئی کہ ہماری جیسی قوموں کے اکابرین اپنی ڈیوٹی کے اوقات میں بھی اتنے فارغ کیوں ہوتے ہیں؟ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو امریکا کی حمایت حاصل ہے ہن ستے خیراں نیں۔

نرید فاطمہ

آپ سے اتنی گھٹیا سوچ کی توقع نہیں تھی۔ تھیسس کی اشاعت کی میٹنگ تھی یہ۔ فارغ سے مراد؟

ڈاکٹر
آپکی اعلیٰ سوچ کو البتہ سلام۔ یہ لکھ دیتیں کہ مقالے کے سلسلے میں گئی تھیں۔ نیز آپ یہ سمجھنے سے بھی قاصر رہیں کہ میں نے پاکستانی نظام پر بحیثیت مجموعی چوٹ لگائی تھی آپ کی ذات پر نہیں۔ مگر آپ کے سخت رد عمل نے البتہ بہت کچھ سمجھا دیا۔

ویسے درجنوں یونیورسٹیوں کا میرا آنکھوں دیکھا تجربہ ہے کہ مجموعی طور پر پروفیسروں کا یہی حال ہے۔ چودہ چودہ گھنٹے دفاتر میں گزار دیتے ہیں لیکن پاکستان کا تعلیمی معیار پچھلے پچاس سال سے

مسلسل گر رہا ہے۔ ہماری کوئی بھی یونیورسٹی عالمی سطح کی پہلی ہزار یونیورسٹیوں میں آج تک کوئی مقام حاصل نہیں کر پائی۔ ہاں کئی جامعات عالمی درجہ بندی میں اپنی اپنی تشریحات ڈال کر اپنے تئیں پہلی پانچ سو میں بھی اپنے آپ کو شامل کر چکی ہیں۔ لیکن دنیا کے 35 ترقی یافتہ ممالک ہماری گھڑی گئی درجہ بندی تسلیم ہی نہیں کرتے۔

حد درجہ بد قسمتی یہ ہے کہ ہمارے مقالوں میں بھی چوری کا مواد شامل ہوتا ہے اور ہمیں چربہ سازی کی روک تھام کے نظام پلیجرازم کو بھی دھوکہ دینا خوب آتا ہے۔ میرے شاگردوں کے مسترد کردہ تین مقالوں نے اسی نوعیت کے نتائج کو دوبارہ جب مجھے پیش کیا بحیثیت ایکسٹرنل پلیجرازم 41 فیصد سے 11 فیصد ہو چکا تھا۔ ہمارے اکثریتی مقالے خصوصاً تحقیقی مقالے چوری شدہ مواد پر مشتمل ہوتے ہیں۔

جب سے ہمارا تعلیمی نظام قومیایا گیا تھا 1974ء میں تو ہم نے 1970-80ء کی دھائی میں دعویٰ کیا تھا کہ اب کبھی بھی پاکستانی تعلیم میں نوبل یا کسی بڑے انعام کے لیے نامزد نہ ہو پائیں گے خصوصاً سائنسی مضامین میں۔ لیکن یہی طالب علم اگر مغربی یا جاپانی یونیورسٹیوں میں چلے جائیں تو تعلیمی امتیاز بھی آسانی سے حاصل کر لیں گے۔ یہ ہمارا تعلیمی معیار ہی ہے کہ یورپ ہماری ڈگریاں تسلیم نہیں کرتا اور ہم آج کی تیز رو دنیا میں بھی سرکاری اعلان کے مطابق محض 62 فیصد شرح خواندگی کے ساتھ جی رہے ہیں۔ حالانکہ مروجہ شرح تعلیم کی بے حد کمزور تعریف کو اگر ذرا سا بھی سخت کر دیں تو ہم قعرِ مذلت میں جا ڈوبیں۔

ہم اپنی انفرادیت میں توپ لیکن اجتماعی طور پر گیلی شرلی ہیں جو کہیں بھی نہ چل سکی اور آج کی تاریخ تک تو ہمارا دعویٰ درست ہی ثابت ہو رہا ہے۔

اب آپ کچھ بھی کہیں یا سمجھیں ہمیں کیا اعتراض ہے؟

"دین کی شکست"

کالم میٹھا سچ 528 از ڈاکٹر سلطان محمود

7 اگست 2022ء

اگر تاریخ اسلام پر گہری اور غیر جانبدارانہ تحقیقی نظر دوڑائی جائے تو اسلام اپنے ابتدائی دور ہی میں سیاسی حکمرانی کی حد تک قبائلی و طبقاتی نظام سے شکست کھا گیا تھا۔ حضرت عثمان اور حضرت علی بے حد تقوے کے باوجود اپنے سیاسی نظام کو قبیلہ پرستی سے بچا نہ پائے اور اس کے سامنے بے بس ہو کر شہادت پا گئے۔ ازاں بعد ہماری تاریخ بتدریج دین سے مذہب میں بدل گئی اور ہم یہود و نصاریٰ کی طرز کے روائتی حکمرانی والے نظام میں لتھڑ کر اپنی ہی سرزمین عرب پر منتشر ہو گئے۔ حضرت عمر کے بعد دونوں خلفاء کی شدید مزاحمت کے باوجود مسلم حکمران فرقہ پرستی اور نظام شہنشاہی و قبائلیت میں جا گرے اور آہستہ آہستہ ہندوازم سمیت دیگر مذاہبِ کی طرح کا بن کر ریزہ ریزہ ہو گئے اور دین اجتماعی فکر سے نکل کر محض انفرادی اثاثہ ہی رہ گیا۔

آج کے 59 اسلامی ممالک میں کہیں بھی اسلام نافذ نہیں جسے بالفاظِ دیگر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اب اجماع امت نہیں رہا اور مسلمان حقیقی قرآنی افکار چھوڑ کر تراجم و تشریحات کی گھمن گھیری میں پھنس کر آپس میں ہی متحارب ہو گئے ہیں اور اسی باہمی دست و گریبان کی کشمکش میں اب کسی تحریکی شکل کے بھی قابل نہیں رہے۔ اب عالمی سطح پر ہم کہیں بھی موجود نہیں کیونکہ ہمارے مذہبی جذبات بغیر عملی سیڑھی کے آسمان کی بلندیوں پر تو معلق ہیں لیکن زمینی حقائق کے مطابق ہم

قرآنی فکر والے حقیقی دین سے عملاً "شیعہ سنی کے نام سے دو مذاہبِ بن چکے ہیں۔ اب ہم صرف اپنی تاریخ کے جھوٹ سچ میں منقسم ہیں لیکن کتاب و سنت پر ایک نہیں۔

نہایت محتاط الفاظ کے مطابق آج کی ساری دنیا میں اسلام سمیت سبھی مذاہبِ شکست کھا چکے ہیں جس کی واضح نشانی یہ ہے کہ دنیاوی ترقی کی جانب دوڑتا ہر شخص اپنے عقیدے کا نام بھی نہیں لیتا اور موت کے بعد والی دنیا سے عملاً اپنا عقیدہ تبدیل کر کے اللہ کے وجود سے ہی انکار کر چکا ہے۔

ڈیئر۔ دین تو اللہ نے مکمل کر کے پسند بھی فرما دیا اور قرآن میں اعلان بھی کر دیا۔ جونہی قرآن مکمل دین بھی مکمل۔

اب اس کے بعد مسلمانوں کا امتحان شروع ہوا اور ایک سیاسی نظام چلانے کی کوشش کی گئی۔ جو دین کا حصہ نہیں بلکہ ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ نیز ان واقعات کی دینی تشریح تو بنتی ہی نہیں بلکہ محض سیاسی محاذ آرائی کے افسانے ہی بن سکتے ہیں۔

اس تاریخ اسلامی میں پہلے دو خلفاء کے وقت تک معاملات مجموعی طور پر درست رہے اور نظام حکومت بہت بہتر انداز میں چلا یہاں تک کہ حضرت عمر کی وفات تک اسلامی مملکت فتوحات کرتے کرتے چھ لاکھ مربع میل سے بڑھ کر 22 لاکھ تک جا پہنچی تھی۔

اگلے دونوں خلفاء کے ادوار میں حالات بہت بدل گئے گو کہ افریقہ تک کے علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گئے لیکن بد قسمتی سے قبائلی ذہنیت دونوں خلفاء کے زبردست تقوے کے باوجود مسلم

امہ کو جغرافیائی اور سیاسی طور پر توڑ کے دو سلطنتوں میں تقسیم کر گئی۔ اور نتیجتاً دونوں خلفاء کو قبائلیوں نے شہید کر دیا۔

حضرت علی کی شہادت کے وقت ان کے زیر نگیں ریاست دوبارہ لوٹ کر چھ لاکھ مربع میل میں سمٹ گئی اور باقی 45 لاکھ مربع میل حضرت امیر معاویہ کے زیر اثر رہی۔

محتاط الفاظ میں بھی کہا جائے تو قرآنی قوانین کے تحت اسلامی مملکت در حقیقت حضرت عمر کے بعد قائم نہ رہ سکی اور تقوے کو قبائلی نظام کھا گیا۔

قرآن کی اکملیت کے بعد آج تک کا سارا زمانہ تاریخ ہے دین نہیں۔ اسی لئے حضرت عائشہ اور حضرت علی کی محاذ آرائی ہو، دونوں جانب صحابہ کے قتل والی دردناک جنگیں ہوں یا کربلا میں یزید و امام حسین کی جنگ، یہ سبھی تاریخی واقعات ہیں جن کا ایمان، تقوے یا دین سے زیادہ محض حکومتوں پر قبضہ برقرار رکھنے کی قبائلی کشمکش تھی۔ ذہن میں رکھیں کہ حضرت امام حسن کو شیعہ حضرات اپنی کتب میں زیادہ مقام نہیں دیتے کیوں وہ امن پسند تھے اور انہوں نے اپنے والد کی شہادت کے فوراً بعد حضرت امیر معاویہ کی بیعت کر لی تھی۔

یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کی اس کمزوری کا بروقت شدید فائدہ اٹھا کر آج عملی طور پر دین اسلام کو شیعہ سنی دو متحارب مذاہب میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور ہم اب کہیں کے نہیں رہے۔ آج ہم یا تو شیعہ مسلم ہیں یا پھر سنی مسلم۔

ایک پرانا کالم

وارسا یونیورسٹی کے فزیالوجی ڈیپارٹمنٹ کے کیتھولک چیئرمین اور یونیورسٹی کے منتخب ریکٹر پروفیسر ویسوا بارے میرے ڈاکٹریٹ میں پروموٹر تھے۔ داخلے کے ابتدائی ہفتے میں کینٹین کی قطار میں کھڑے ملے اور پھر ہم وہیں بیٹھ کر کافی پینے لگ گئے۔

سمجھانے کے انداز میں فرمانے لگے کہ اب ہماری عزت سانجھی ہے۔

ہم تم پر اندھا اعتماد کرتے رہیں گے تاوقتیکہ تمہارا پہلا جھوٹ نہ پکڑا گیا۔

پھر تاعمر ہم میں سے کوئی بھی تم پر اعتماد نہیں کرے گا۔

اور پھر سوا چار سال بعد 52 ممالک کے سینکڑوں سکالرز میں سے تعلیمی امتیاز کا انعام وصول کرتے ہوئے ہم دونوں گلے ملے تو دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔

ان کی شکرانے سے اور میری اس "گھٹن" سے کہ بقول شاعر:

میری زندگی کی راتیں، کٹی اسی کشمکش میں۔۔۔
کبھی سوز سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی۔۔۔

آداب عرض ہے۔

"محبتیں جب شمار کرنا تو سازشیں بھی شمار کرنا"

کالم میٹھا سچ 529 از ڈاکٹر سلطان محمود

14 اگست 2022ء

ہمارے بلوچستان کے ایک دوست نے قائد اعظم علیہ رحمت کا ایک خط قاضی عیسیٰ کی تعریف والا بھیج کر درخواست کی ہے کہ 75 ویں یوم آزادی پر ان تاریخی شخصیات کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔ ہم نے بصد شوق قاضی صاحب کو یاد رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے لیکن 1942ء کے بعد کے قاضی صاحب کے بدلتے رنگوں کو بھی تاریخ نچوڑنے کے بعد عرض کی ہے یہ تعریفی خط آزادی سے قبل کے قاضی عیسیٰ کی شان میں واقعی ایک قصیدہ ہے جب وہ اچانک قائد علیہ رحمت کے انتہائی قریب ہو گئے اور انہیں مسلم لیگ بلوچستان کا صدر بنا دیا گیا۔ یہ وہی "تاریخی شخصیت" ہیں جن کو انگریزوں نے قائد اعظم سے قربت قائم کرنے کا حکم دے کر کراچی میں بلئیر ڈ سکھا کر پشین سے بمبئی بھیجا بمعہ مسلم لیگ فنڈ میں نذرانے کی رقم کے۔

پھر چشم فلک نے دیکھا کہ آزادی سے کچھ عرصہ ہی 1947ء کے اوائل میں یہی صاحب حضرت قائد اعظم کو ناراض کر بیٹھے کیونکہ قاضی عیسیٰ نے خان آف قلات کی پاکستان میں شمولیت کی مخالفت میں انگریزوں کی ایماء پر بہت سارے سرداروں اور نوابوں کو آزاد ریاست کا چکمہ دے کر

توڑنے کی کوشش کی۔ صرف اس لئے کہ پاکستان اور بھارت کے ساتھ جڑی ہوئی اس ریاست بلوچستان میں انگریز کو روک کر سارے برصغیر پر نظر رکھنے کی لارڈ ماونٹ بیٹن کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں مدد دے کر خود بلوچستان کا وزیر اعظم بنا جا سکے۔

پھر اس "عظیم تاریخی شخصیت" نے آزادی کے ایک برس بعد قائد اعظم کو ملکی سیاست سے بے دخل کرنے کے لئے زیارت ریزیڈنسی میں رکنے کی تحریک چلائی جہاں حضرت قائد اعظم عملاً نظر بندی کی حالت میں بے دست و پا کر دیئے گئے اور کراچی پہنچتے ہی رحلت فرما گئے۔

ملک کے وزیر اعظم لیاقت علی خان اور قاضی عیسیٰ اس دور نظر بندی میں ایک بار بھی قائد کو دیکھنے زیارت نہ آئے بلکہ ملکی خبروں سے بھی انہیں لاعلم رکھا جانے لگا تو قائد اعظم نے حکم دیا کہ یہ دونوں "محب وطن تاریخی شخصیات" موت کے بعد ان کا منہ بھی نہ دیکھیں۔ اور ایسا ہی ہوا جس پر لیاقت علی خان نے خفا ہو کر محترمہ فاطمہ جناح کی کراچی میں زبان بندی کر دی جو 1967ء میں دور ایوبی تک محترمہ کے انتقال تک قائم رہی۔

پھر چشم فلک نے اس "تاریخی شخصیت" کو 1951ء میں برازیل میں سفارت بھی ملتے دیکھی جہاں سے خبر اڑی کہ پاکستانی تاریخ کی پہلی سمگلنگ چینی کے جہاز کو برازیل بھیج کر کی گئی ہے۔ اس میں اس "تاریخی شخصیت" کو ملوث قرار دیا گیا تھا لیکن پھر خبر اور تبصرے آگے نہیں چلائے گئے۔ حوالے کے لئے دیکھیئے جولائی 1953ء کے روزنامے جنگ، کوہستان اور امروز وغیرہ۔

پھر ہماری شامت اعمال کو 1976ء میں یہ خبر بھی پڑھنی پڑی کہ اس "تاریخی شخصیت" کی کسی رپورٹ پر کراچی ائیرپورٹ پر لی گئی تلاشی میں ہیرے برآمد ہوئے ہیں۔ انہیں گرفتار کرنے کی طاقت اس وقت شاید کسی میں نہ تھی لیکن خود اس شخصیت کا ضمیر اس قدر بوجھ بن گیا ہو گا کہ اسی شام ان پر کراچی میں ہی دل کا دورہ پڑا اور وہ چند روز بعد انتقال کر گئے۔

اگر تو ہم میں سے کوئی حرام کے پیسے سے پلنے والی اولاد کے کردار میں اسی طرز کی کسی عادت ہر یقین رکھتا ہے تو پھر بعد ازاں اسی "تاریخی شخصیت" کے دونوں بیٹوں عظمت اور فائز کے کردار کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے جس پر میرے کئی کالم پہلے سے موجود ہیں۔

"Our PhDs"

Column Meetha Sach by Dr Sultan Mahmood

15Aug 2022

Sir (Iftikhar of hydrology) first of all I must congratulate you for your untiring efforts to promote environmental awareness through research and development even after your retirement.

Since I'm totally unaware nowadays about the helm of affairs of Pakistani universities especially included those which are in a new race of upgrading colleges up to the level of universities, so I would apologize in advance for any of my critics on the local PhD system.

Since I'm the most relevant stakeholder of the environmental field at local consultancy level, unfortunately which is deep rooted in EPA's vivid corrupt system, so I would like to know the definition of 'innovations' conceived during PhD research in Pakistan, as per

your statement? Some decades ago we were using the term genuine research. Is it a replacement of terminology or really we are heeding something better than the past and at the verge of any foreseeable breakthrough?

I was shocked to know some days earlier that an environmental scholar is awarded doctorate in HSE but his institution had no laboratory. The same friend can't write well even an article to be published in Y category journal of Pakistan till this day.

Some 30 years ago, one of my past classmates supervised 15 doctoral theses without having a laboratory in his nutrition department but to the best of luck he was appointed as Vice Chancellor in a smaller province.

Sir very recently I visited 7 labs of 'xyz' university but all were looking like a dumping pool of nonfunctional scientific instruments, except one. It looks that we are good in numbers & exhibits but bad in quality.

During 2022, I heard that 7 environmentalists are awarded PhD degrees one after the other and a dozen are in pipeline. Can all of them face even Indian PhDs if not European, American, Japanese or Israelis?

Where we want to go dear Sir? Is there any real professional third party evaluation system intact with the doctorate research? Are we getting theses of our students clear in terms of carrying out foreign evaluation from the countries better in research than Pakistan?

I've no words to pay for those female research scholars who are studying and studying till the jackpot of marriage they win and then leave every thing 'as and where' basis.

I understand that FB is not a proper forum to get answer of my critical queries but where should I go to find real answers to above noted miseries cos, off and on, I face similar pinches by my foreign degree holder friends outside the country. Again I

apologize if some of my colleagues or teachers feel embarrassment out of my today's deliberations.

ہمارے پی ایچ ڈیز

کالم "میٹھا سچ" از ڈاکٹر سلطان محمود

15 اگست 2022

محترم (افتخار صاحب برائے ہائیڈرلوجی)، سب سے پہلے میں آپ کو ریٹائرمنٹ کے بعد بھی تحقیق اور ترقی کے ذریعے ماحولیات سے آگاہی کو فروغ دینے کی آپ کی انتھک کوششوں پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

چونکہ آج کل میں پاکستانی یونیورسٹیوں کے انتظامی معاملات سے بالکل ناواقف ہوں، خاص طور پر اُن یونیورسٹیوں سے جنہیں کالجز کو یونیورسٹی کے معیار پر اپ گریڈ کرنے کی دوڑ میں شامل کیا جارہا ہے، تو میں مقامی پی ایچ ڈی نظام پر اپنے کسی بھی تنقید پر پیشگی معذرت چاہتا ہوں۔

چونکہ میں مقامی سطح پر ماحولیاتی مشاورت کے شعبے کا سب سے زیادہ متعلقہ اسٹیک ہولڈر ہوں، بدقسمتی سے یہ نظام ای پی اے (EPA) کے بدعنوان نظام میں گہری جڑیں رکھتا ہے۔ میں آپ سے جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے بیان کے مطابق پاکستان میں پی ایچ ڈی تحقیق کے دوران 'جدت' کی کیا تعریف ہے؟ چند دہائیاں پہلے ہم 'حقیقی تحقیق' کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ کیا یہ محض

اصطلاح کا تبدیلی ہے یا واقعی ہم ماضی سے کچھ بہتر چیز کی طرف توجہ دے رہے ہیں اور کسی قابلِ ذکر پیش رفت کے قریب ہیں؟

کچھ دن پہلے مجھے یہ جان کر دھچکا لگا کہ ایک ماحولیاتی اسکالر کو ایچ ایس ای میں ڈاکٹریٹ سے نوازا گیا ہے، مگر اُس کے ادارے کے پاس کوئی تجربہ گاہ نہیں تھی۔ اسی دوست سے آج تک ایک ایسا مضمون بھی نہیں لکھا گیا جو پاکستان کے Y کیٹیگری کے جرنل میں شائع ہو سکے۔

تقریباً 30 سال پہلے، میرے ایک سابق کلاس فیلو نے اپنے نیوٹریشن ڈیپارٹمنٹ میں لیبارٹری کے بغیر 15 ڈاکٹریٹ تھیسز کی نگرانی کی، لیکن خوش قسمتی سے انہیں ایک چھوٹے صوبے میں وائس چانسلر کے عہدے پر فائز کیا گیا۔

حال ہی میں، میں نے 'ایکس وائی زیڈ' یونیورسٹی کی 7 لیبارٹریوں کا دورہ کیا، لیکن ایک کے علاوہ سب ناکارہ سائنسی آلات کے کباڑ خانے کی طرح نظر آ رہی تھیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم تعداد اور نمائش میں اچھے ہیں، لیکن معیار میں خراب ہیں۔

سنہ 2022 کے دوران، میں نے سنا کہ سات ماہرینِ ماحولیات کو یکے بعد دیگرے پی ایچ ڈی ڈگریاں دی گئی ہیں اور درجن بھر مزید پائپ لائن میں ہیں۔ کیا ان سب میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ ہندوستانی پی ایچ ڈیز کا بھی سامنا کر سکیں، چاہے وہ یورپی، امریکی، جاپانی یا اسرائیلی پی ایچ ڈیز سے موازنہ نہ کر سکیں؟

ہم کہاں جانا چاہتے ہیں محترم؟ کیا ڈاکٹریٹ تحقیق کے ساتھ کوئی حقیقی پروفیشنل تھرڈ پارٹی جائزہ نظام موجود ہے؟ کیا ہمارے طلبہ کے تھیسس غیر ملکی جائزے کے معیار پر پورا اترتے ہیں، خاص طور پر ان ممالک سے جہاں تحقیق کا معیار پاکستان سے بہتر ہے؟

میرے پاس اُن خواتین محققین کے لیے الفاظ نہیں ہیں جو پڑھتی ہی رہتی ہیں جب تک کہ شادی کا جیک پاٹ نہ جیت لیں اور پھر سب کچھ چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ فیس بک میرے تنقیدی سوالات کے جوابات حاصل کرنے کا مناسب فورم نہیں ہے، لیکن میں کہاں جاؤں کہ ان مصیبتوں کے اصل جوابات تلاش کر سکوں؟ کیونکہ وقتاً فوقتاً، مجھے بیرون ملک اپنے فارن ڈگری یافتہ دوستوں کے ذریعے ایسے ہی طعنے سننے کو ملتے ہیں۔ ایک بار پھر میں معذرت چاہتا ہوں اگر میری آج کی گفتگو سے میرے کچھ ساتھی یا اساتذہ کو شرمندگی محسوس ہو۔

"ہماری تعلیمی تباہی "

کالم 531 از ڈاکٹر سلطان محمود

21 اگست 2022ء

ہائر ایجوکیشن کمیشن کے چیئرمین نے کل ایک بیان میں اس حقیقت کو بالآخر تسلیم کر لیا ہے کہ پاکستان کا نظام تعلیم نہ اچھے طالب علم پیدا کر سکتا ہے اور نہ اچھے شہری۔ یہ رونا ہم تو 1974ء سے ہی روتے چلے آ رہے ہیں جب بھٹو نے اس قوم کے مستقبل کا بیڑہ غرق کرنے کے لئے تعلیم اور معیشت کو قومیانے کا اعلان کیا تھا۔ ہمارا دعویٰ ابھی تک باطل ثابت نہیں ہوا کہ بھٹو کے تعلیم و معیشت پر اس قاتلانہ حملے پر جب تک عمل ہوتا رہے گا پاکستان سے میٹرک کرنے والا کوئی بھی طالب علم دنیا کا نوبل پرائز جیسا کوئی بھی اعلیٰ تعلیمی و سائنسی اعزاز حاصل نہ کر پائے گا۔

تعلیم اور سائنس پر بھٹو کے اس قاتلانہ حملے سے پہلے فیض احمد فیض کو 1962ء میں لینن پرائز ملا گو کہ انہیں نوبل پرائز بھی مل سکتا تھا لیکن روس و امریکہ کی سرد جنگ میں انہیں سیاسی طور پر منتخب کیا گیا۔ 1974ء کے بعد دنیا کے صف اول کے چھ اعزازات پاکستان کے حصے میں آئے لیکن ان میں صرف ایک سائنسی نوبل پرائز 1979ء میں ڈاکٹر عبدالسلام کو ملا مگر ان کی بھی میٹرک تعلیم کو قومیانے جانے سے پہلے کی تھی۔ دوسرا نوبل پرائز ملالہ کو 2014ء میں ملا لیکن اس کی وجہ تعلیمی و سائنسی نہیں تھی بلکہ حادثاتی تھی۔ ارفع کریم زندہ رہتی تو شاید نوبل پرائز تک پہنچ جاتی اور واحد

لڑکی ہوتی جس کا میٹرک 1974ء کے بعد کا ہوتا مگر یہ عظیم لڑکی محض 17 برس کی عمر میں وفات پا گئی۔ البتہ ارفع کو 2008ء میں مائیکروسافٹ کی جانب سے عالمی ایوارڈ مل گیا تھا اور اس کا نام گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں بھی 2004ء تا 2008ء کم عمر ترین سافٹوئیر انجینئر کے طور پر درج رہا۔

شرمین عبید چنائے کو دو آسکرز ملے 2012ء اور 2016ء میں لیکن فلمی دنیا میں۔ کمیل ننجیانی کو یہی انعام ملا 2018ء اور رضا احمد کو دو بار آسکرز ملے 2021ء اور 2022ء میں۔ مگر یہ سبھی شوبز کے لوگ تھے اور ان کا سائنس و تعلیم سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

تعلیمی و سائنسی محاذ پر البتہ بیشمار ایسے پاکستانی عالمی اعزازات کے لائق ٹھہرے جن کا میٹرک 1974ء کے بعد کا تھا لیکن ان کے اذہان مغرب و جاپان کے تعلیمی نظام ہی میں رہ کر ہی کھلے اور انہوں نے پاکستان کا نام روشن کیا۔ گو کہ ہمیں بھی 1992ء میں یورپین یونیورسٹی سے تعلیمی امتیاز ملا لیکن ہم تو ٹھہرے بھلے وقتوں کی کھری تعلیم والے دور کی میٹرک والے یعنی 1972ء کے۔ آج کل بھی بیشمار ایسے پاکستانی یورپ، امریکہ، آسٹریلیا و جاپان میں تعلیمی و سائنسی اعزازات حاصل کر رہے ہیں لیکن ان کی اٹھان گو کہ ہمارے ملک میں مروج گھٹیا درجے کے نظام تعلیم میں ہی ہوئی مگر وہ خوش قسمتی سے بروقت بیرونی ممالک کے اصلی تعلیمی نظام میں جا گھسے اور آج اپنے تئیں ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اس کتھا کا بد قسمتی سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ سنجیدہ ترین پروفیسرز اور تعلیمی اداروں میں بھی چربہ سازی عام ہے، تعلیمی معیار گر چکا ہے اور اساتذہ، والدین اور طالب علموں سے لے کر تمام معاشرے تک یہ بات قابل فخر سمجھی جا رہی ہے کہ ہمارے بچے نے سو فیصد نمبر

لے لئے۔ اب علم کی جگہ ڈگری نے لے لی ہے اور ابھی اگلے ہی دن ساٹھ کتابوں کا مصنف ایک جعلی ڈگری والا "ڈاکٹر" ہم سے بحث کر رہا تھا کہ پی ایچ ڈی ایک بیکار کی ڈگری ہے۔

ثناء اسلم۔ ملتان

سر ہم بچے بھٹو کے مرنے کے کئی سال بعد پیدا ہوئے تو جب آپ تاریخی بات کرتے ہیں تو ہمارے لیے سمجھنا تھوڑا مشکل ہو جاتا ہے، جیسے ابھی اس آرٹیکل کو پڑھ کے پہلا سوال ذہن میں ابھرا کہ بھٹو نے تعلیمی نظام کو کس طرح اور کتنا نقصان پہنچایا۔

ڈاکٹر سلطان

گڑیا بھٹو بھی ایوب کی طرح امریکن ایجنٹ تھا اور انہیں ٹاسک یہ ملا تھا کہ پاکستان تباہ بھی نہ ہو لیکن اپنے پاؤں پر بھی کھڑا نہ ہو سکے۔ تباہ اس لئے نہ ہو تا کہ ابھی امریکہ نے ہماری فوج سے ابھی روس تڑوانے کا کام لینا تھا۔ اور پاؤں پر اس لئے کھڑا نہ ہو تا کہ مسلم امہ کہیں اکٹھی ہو کر امریکہ کو ہی چیلنج نہ کر دے۔ ایوب نے انڈسٹری کو ترقی دے کر ملک مضبوط کر دیا لیکن ساتھ ہی سیاست کا گلا گھونٹ کر دونوں ایجنڈے پورے کر دیئے۔ اسی طرح بھٹو نے بھی تعلیم اور معیشت کو سرکاری کنٹرول میں لے کر سو سال کے لئے ملک کو اپاہج کر دیا لیکن ساتھ ہی ایٹمی ٹیکنالوجی دے کر ملک کو دشمن کے ہاتھوں مٹنے کا رستہ بھی بند کر دیا۔ بھٹو نے یہ کام کافی عجلت میں کئے اور ہوم ورک بھی نہ کر سکا کیونکہ اسے پتہ تھا کہ اسے رستے سے ہٹا کر سی آئی اے اگلا ایجنٹ لے آئے گی۔ جو اس کا خدشہ درست ثابت ہوا اور امریکہ نے ضیاء الحق کو لا کر نا صرف بھٹو کو پھانسی دے دی بلکہ امریکہ

کی خاطر روس بھی توڑ کر دکھا دیا۔ چونکہ بھٹو کے پاس صنعت اور تعلیم کو چینی طرز پر چلانے کے لئے مطلوبہ قابلیت اور مین پاور موجود ہی نہ تھی لہٰذا اس کی پھانسی کے بعد یہ دونوں سیکٹرز بے یارو مددگار تباہی کی منزلیں طے کرتے چلے گئے۔ بلکہ اس کی موجودگی ہی میں شکست خوردہ ہو گئے

"ماحولیاتی بچے جمورے"

کالم میٹھا سچ 532 از ڈاکٹر سلطان محمود

22 اگست 2022ء

پچھلی صدی کے آخری عشرے میں چند ماحولیاتی ماہرین کی ایک ایسی بریڈ تیار ہو کر اکابرین کے درجے پر فائز ہو چکی ہے جن میں سے زیادہ تر جنگلات، بنگلات اور وکیلات کے محکموں میں کام کر کے قدرے دبنگ ہو گئے ہوئے ہیں یا پھر "گجر" اور "جاٹ" ہونے کے باعث وہ معصومین بھی ماہر ماحولیات کہلانے لگے گئے ہیں جو ذرا بعد میں سوچتے تھے کہ ہم نے کس سیمینار میں کیا کہہ دیا تھا یا پھر دھڑا دھڑ پرائیویٹ سیکٹر میں سکولوں کالجوں کی کوکھ سے جنم لینے والی یونیورسٹیوں سے کوالٹی کی بجائے کوانٹٹی کے سکہ رائج الوقت کے باعث ماحولیات کے شعبے میں پہچان پا لینے کے شوق میں طالب علم سیدھے ماہر ماحول ہی جا بنے ہم ان چند سو ڈالرز کے عوض ڈگری بیچنے والوں کے بھی بل بل جائیں گے کہ انہوں نے ان توپچیوں اور مولویوں کو بھی ڈگریاں بیچ ڈالیں جن کو "ماہرین ماحولیات" کبھی اپنے نزدیک بھی پھٹکنے نہیں دیتے ہوں گے۔

ویسے ماہر ماحول کی اصطلاح ماحولیات میں گریجویشن یا ماسٹرز کرنے والے کے لئے گڑھی گئی تھی جن کی پہلی نسل ابھی جوان ہو رہی ہے تو ہماری ایسوسی ایشن انوائرمنٹ کنسلٹنٹس ایسوسیایشن پاکستان (ECAP) نے سوچا کہ جب تک وہ جوان ہو لیں کیوں نہ ایسے تمام لوگوں کو ہی ماہر ماحول

کہہ لیا جائے جنہوں نے ملکی و عالمی ماحول کو سب سے پہلے سمجھ لیا تھا کہ یہاں سے بھی روزگار کمایا جا سکتا ہے یا پھر وہ کاروباری حضرات جنہوں نے عوام و خواص کی لاعلمی کا فائدہ اٹھا کر محکمہ ماحولیات سے ساز باز کر کے اپنی روزی روٹی کا بندوبست کیا ہوا تھا یا پھر انتہائی معدودے وہ مشاہیر جو عالمی اداروں میں رہ کر بیرون ملک سے ماحول بارے کچھ سیکھ آئے تھے اور انگریزی بولتے وقت تھوڑا منہ ٹیڑھا کرنا بھی جان گئے تھے اور یا پھر وہ تمام اساتذہ کرام جنہوں نے بروقت معاملہ فہمی سے پاکستان کے ہر شعبے کے ساتھ ماحولیات کا لاحقہ استعمال کر کے ڈیپارٹمنٹ کے ڈیپارٹمنٹ کھول مارے اور ان بچوں کو بھی زبردستی ماحولیات کا مضمون سکھانا شروع کر دیا جو بچارے علم کی بجائے لان میں بیٹھ کر دیتیں مارنے کے علاوہ صرف ایک عدد ڈگری ہی کے طلبگار تھے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک جانب کسی اور شعبے کے ماہر اساتذہ بھی ماحولیات کا مضمون جان کر ماہر ہو گئے اور دوسری جانب ملک میں بیروزگاروں کی کھیپ میں غلطی سے اضافہ کر بیٹھنے سے پہلے اپنے اداروں کو خوب مال کما کر دیئے جانے لگے۔

لیکن شاید قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ماہرین ماحولیات کے اس قدر شدید ابتدائی حملے سے قبل ملک عزیز کی ہوا اور پانی اتنے آلودہ نہ تھے جتنے ان تیس برسوں کے بعد آلودہ ہو گئے ہیں۔ وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سبھی ماہرین مل کر اکٹھے بیٹھتے ہی نہیں تھے کہ کہیں دوسرا انہیں بہروپیا سمجھ کر پکڑ نہ بیٹھے۔ ویسے ہی جیسے ایک بیروزگار انجینئر چیتے کی کھال پہن کر چڑیا گھر میں چیتا لگ گیا۔ اگلے ہی روز اس کا ڈر کے مادے پیشاب خطا ہو گیا کہ جب اس نے شیر کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ شیر نے قریب آ کر چیتے کے کان میں کچھ کہا تو بیچارے کی جان میں جان آئی جو یہ کہہ رہا تھا کیا تم بھی سول انجینئر ہو؟

کوئی تیس برس قبل ایک وقت ہم نے کوپن ہیگن اور نیویارک میں ایسا بھی دیکھا کہ پاکستان کے ایم بی اے اور ایم بی بی ایس ٹیکسی چلاتے اور سول سروس والے بلڈنگ بناتے پائے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ اب جائیں تو ماہرین ماحولیات پمپس پر پٹرول ڈال رہے ہوں یا مہنگے سٹورز پر ڈاکہ روکنے کے لئے گارڈ بنے بیٹھے ہوں کیونکہ وہ ہیلتھ سیفٹی کے مضامین میں بھی ماہر ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے بھی ممکن ہے کہ وطن عزیز کی یونیورسٹیاں بغیر لیبارٹریوں کے ماحولیات میں پی ایچ ڈی بھی کرا رہی ہیں۔ ورنہ تو خیر پہلے بھی روپیٹ کر ایم فل کرا ہی دیتی تھیں۔

"مجھ وینچ کے گھوڑی لئی"

کالم میٹھا سچ 533 از ڈاکٹر سلطان محمود

26 اگست 2022ء

کیا ملک میں ڈیمز نہ بنا کر ہم نے بھلا اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی نہیں مار لی؟ کالا باغ ڈیم کو جھوٹ موٹ کا متنازع بنالیا پھر دشمن نے کے پی اور سندھ میں موجود پاکستان بننے کے مخالفین کو پیسہ لگایا اور ہم 1953ء سے اعلان کردہ اس ڈیم کو آج تک نہیں بنا پائے۔ اس احمقانہ قدم کا ہمیں آج 2022ء میں یہ نقصان پہنچا ہے کہ کے پی کا نوشہرہ بھی ڈوبا، سندھ کی پچاس لاکھ ایکڑ زرعی اراضی بنجر کی بنجر رہ گئی، ملک 4600 میگاواٹ بجلی سے بھی محروم رہ گیا۔

پھر دو سیاسی جماعتوں اور ان کی حمایت یافتہ اسٹیبلشمنٹ کو پونے دو روپے یونٹ والی پن بجلی نہ بنانے میں کرپشن کا آئیڈیا بھی مل گیا اور انہوں نے IPPs سے قاتلانہ معاہدے کر کے ملک کے عوام کو غریب تر کر دیا اور ان کا مستقبل تاریک کرنے میں کسی بھی ہچکچاہٹ کے بغیر پچیس کروڑ عوام کے خون سے ڈالر کشید کر کے اربوں ڈالر دولت بیرون ملک جمع کر لی۔ یہ ہماری تاریخ کا اتنا بڑا سانحاتی کرپشن سکینڈل ہے کہ جس کے سامنے پیپلز پارٹی کے راجہ پرویز اشرف کا رینٹل پاور کرپشن منصوبہ مونگ پھلی کا ایک دانہ نظر آنے لگ گیا ہے جسے اس نے ملی بھگت سے معاف بھی کرا لیا ہے۔

اب ہم ہر سال 35 لاکھ ایکڑ فٹ قیمتی پانی مفت میں سمندر میں گرا رہے ہیں جس سے کالا باغ ڈیم جتنے چھ ڈیمز کے برابر پانی ضائع ہوتا ہے ورنہ ہم 300 دن تک پانی کا ذخیرہ رکھنے کے قابل ہو جاتے جو اب صرف 30 دن ہے۔ بھارت 100 دن کا پانی ذخیرہ رکھ سکتا اور امریکہ 1000 دن کا۔

ویکھ جٹی دی عقل گئی، مجھ ویچ کے گھوڑی لئی
ددھ پینو گئی، لد سٹنی پئی، دلتی کھانی پئی

اللہ وطن دشمنوں کو برباد کرے

"آبادی کا بم"

کالم میٹھا سچ 534۔ از ڈاکٹر سلطان محمود

27 اگست 2022ء

ہمارے ایک دوست کا خیال ہے کہ ضرورت سے زیادہ پیدا کیا جانے والا ہر بچہ جسے آپ افورڈ نہیں کر سکتے, چائلڈ ابیوز کے زمرے میں آنا چاہیے اور اس پہ سزا بھی ہونی چاہیے. اس پر دین سے نابلد کافی لوگ شدت پر بھی اتر آئے ہیں۔ ہم نے متوازن رہنے کی کوشش میں عرض کیا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک 1964ء میں ایوب خان نے شروع کی جسے مولانا مودودی صاحب کی قیادت میں تقریباً سبھی مذہبی جماعتوں نے مل کر ناکام بنا دیا۔ ازاں بعد ایوب کے منہ بولے بیٹے بھٹو نے جب اپنے دور میں پکی پکائی روٹی کے پلانٹ لگائے تو چونکہ وہی مذہبی جماعتیں اس کے بھی خلاف تھیں اس لئے یہ افواہ اڑا دی گئی کہ حکومت نے آبادی کم کرنے کے لئے اس میں بچے بند کرنے کی گولیاں ڈال رکھی ہیں۔ ازاں بعد ضیاء الحق کے دور میں بقول اس کے اپنے چونکہ ساری مذہبی جماعتیں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی تھیں اسلئے عملاً خاندانی منصوبہ بندی کے محکمے کو مفلوج ہی کر دیا گیا۔

ابھی اس ماہ کے اوائل میں سراج الحق صاحب کی قیادت میں "قومی معاشی مشاورت" کے موضوع پر چودہ مذہبی و سیاسی جماعتوں کا ملک گیر تجاویز لینے کے لئے ایک فورم منعقد ہوا جس میں مجھے بھی

سائنسی لحاظ سے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میری تمام تجاویز کو مشترکہ اعلامیے کے متن میں شامل کر لیا گیا ماسوائے آبادی کے پھیلاؤ پر قابو پانے اور قومی واٹر پالیسی کے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مذہبی سوچ آج بھی ملا کی وہی ہے جو ستر برس قبل تھی۔ ویسے تو مجھے یقین ہے کہ مذہبی و سیاسی عناصر کو ڈکٹیشن اسٹیبلشمنٹ سے ملتی ہے لیکن حیرت اس بات پہ ہے کہ وہ اپنے اندر سائنس سے گریز کا مادہ موجود ہونے کے سبب ہمیشہ ناکام اور پیچھے رہ جانے ہی کو کیوں ترجیح دیتے ہیں شاید انہیں دین کا مکمل علم نہیں یا پھر چابی گھمانے والوں کا ابھی اس ترجیح پر کام کرنے کا حکم نہیں آیا۔

دنیا میں کسی ملک نے آبادی کے ضرورت سے زیادہ پھیلاؤ پر پابندی لگائے بغیر ترقی نہیں کی۔ بڑی بڑی مثالوں میں چین، بھارت، جاپان، آسٹریلیا، یورپ و امریکہ ہیں۔ لیکن یہ سبھی مذہب کو عملاً نہ ماننے والی اقوام ہیں۔ بلکہ بھارت میں تو راجیو گاندھی کے زمانے میں زبردستی نس بندی کر دی جاتی تھی۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ہمارے علمائے دین قرآن کریم و احادیثِ مصدقہ کو دنیا کے دیگر علوم کے ساتھ ملا کر دیکھنے کے قائل نہیں نیز عسکریت پسندی ان کا پسندیدہ شعبہ ہے اس لئے سنت نبوی صلی اللہ علیہ و آلہِ وسلم کو معاشیات سے جوڑنا بھی پسند نہیں کرتے لہٰذا ہم جب تک ان کے ساتھ کوئی حقیقی مکالمہ کرنے میں ناکام ہیں تب تک غریبی ہی ہمارا مقدر رہے گی۔ ہاں اگر ہم علمائے دین کی اس دلیل کو دیکھیں کہ جس میں وہ دولت کی منصفانہ تقسیم پر زور دیتے ہیں، وسائل و روزگار میں انصاف کرنے کا کہتے ہیں یا بچے بند کرنے کو حقوق انسانی کی خلاف ورزی گردانتے ہیں تو

یہ ماننا پڑے گا کہ ان کے یہ سبھی دلائل درست ہیں لیکن ہمارا سوال تو یہ ہے کہ ایسا معاشرہ ظہور میں آنے تلک ہم تو برباد ہو جائیں گے صنم تم کو خبر ہونے تک۔ سنت رسول سے ثابت شدہ فیملی پلاننگ کا ایک آسان کام تو ہم کرتے نہیں لیکن یوٹوپیائی سوچ کے پیچھے لگ جاتے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے کہ ہم سائیکل لے کر بھاگتے تو رہیں لیکن اس پر سواری کرنے کا ہمارے پاس وقت نہ ہو یا علم کے خزانے میں داخل ہونے سے ڈریں کہ مبادا اس کے منہ پر بیٹھا کوبرا ہمیں ڈس نہ لے۔

"گورپیا کوئی ہور"

کالم میٹھا سچ 535۔ از ڈاکٹر سلطان محمود

28 اگست 2022ء

درد ہائے، چبھن دہائی، کیسی ہے یہ شامت آئی۔۔۔

شور سن کے دل و جگر کا، گردے کو بھی غیرت آئی۔۔۔

شاعر درد زہ کے علاوہ باقی تمام دردوں سے آشنا معلوم ہوتا ہے لیکن دل میں درد تو اسے بھی ہوتا ہو گا سیلاب زدہ عوام کی آہ و زاریوں کا لیکن شاید ذرا آرام کے ساتھ۔ اتنا شدید نہیں جتنا لٹے پٹے خاندانوں کو ہے۔ ہم سب اپنی اپنی مستی میں گم ہیں عوام جائے بے شک بھاڑ میں۔ کیونکہ دوستو سیلاب کی تباہ کاریاں سنبھالنا تو ہماری مسلح افواج کا فرض ہے ناں۔ ہم چنتا کیوں کریں کہ اب تو حکومت نے بھی فوج ہی کو پکار لیا ہے اس آڑھے وقت میں۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بلڈی سیاستدان کرسی کرسی کھیلنے اور ان کے اندھے معتقدین ایک دوسرے کے "چینگے" لگانے کی بجائے امدادی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ جب سے سیلاب آئے ہیں مین سٹریم میڈیا تو اس وقت شہباز گل کے ساتھ دوران حراست جنسی زیادتی کئے جانے یا نہ کئے جانے پر بحث کر رہا تھا۔ وہ تو قربان جایئے سوشل میڈیا پر جس نے مرتے اور اجڑتے سیلاب زدگان کی آہ و بکا دکھا دکھا کر حکومت،

اپوزیشن اور مین سٹریم میڈیا کو متوجہ تو کر لیا ہے لیکن لاہوریئے سوشل میڈیا پر تباہیوں کے کلپ شیئر کر کے اپنے فرائض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو رہے ہیں

آیئے صرف لاہور ہی کا ایک ہفتے کا سروے کر کے دیکھتے ہیں کہ سیلاب سے تباہی کا ان کو کتنا دکھ ہوا ہے؟

لیجئے صاحبان قدر دان ایک عظیم شاعرہ کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں انواع و اقسام کے کھانوں کے ارد گرد بیٹھے خوشحال شعراء دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنا کلام داغنے کے انتظار میں بے چین بیٹھے ہیں اور ایک ریٹائرڈ فوجی اپنا محبت بھرا غیر فوجی کلام سنا رہے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مشروبات پر للچائی نظریں ڈالے بنا باقی شعراء زور شور سے ہدیہ تبریک پیش کر رہے ہیں اور جتنی اونچی آواز سے وہ خود ستائش لینا چاہ رہے ہیں اتنا ہی اچھل کر داد بھی دے رہے ہیں۔ اچانک ایک شاعر کو فون آتا ہے کہ کالام میں ہمارا گاؤں ڈوب گیا ہے جلد واپس آئیں تا کہ رشتہ داروں کی خبر معلوم کر سکیں۔ وہ صاحب دھیمی سی مگر قہر آلود آواز میں ڈانٹ پلانے والے انداز میں متنبہ کرتے ہیں کہ بس میری باری آنے ہی والی ہے اور کافی پی کر آتا ہوں۔

اس سے اگلے روز ایک ریٹائرڈ ائیر کموڈور حضرت قائد اعظم پر ایک جذباتی سا لیکچر دے رہے ہوتے ہیں اور چند رقیق القلب سامعین آنسو صاف کرنے کی اداکاری کر رہے ہیں کہ اچانک باہر سے ایک سامع کو خبر آتی ہے کہ ان کے راجن پور والے گاؤں کے پڑوسی کریم بھائی کہ ساری فیملی سیلابی ریلے سے بمشکل جان بچا پائی ہے لیکن گھر و جانور سب کچھ بہہ گیا ہے۔ وہ تشویشناک مگر مدھم سی آواز میں اپنی کھڑی فصل کا پوچھتے ہیں اور سامعین کو ڈسٹرب کئے بغیر فون کان سے لگائے

ہال سے باہر نکل جاتے ہیں۔ کوئی دس منٹ میں واپس آ کر انتظامیہ کے سربراہ کو بتاتے ہیں کہ مجھے فوراً گاؤں جانا ہے میری کھڑی فصل سیلاب سے تباہ ہو گئی ہے۔ صدر منتظم افسوس کا مصنوعی سا اظہار کرتے ہیں اور ان صاحب کے رتبے کے پیش نظر اپنے روایتی رکھ رکھاؤ کے پیش نظر دعوت دیتے ہیں کہ ہائی ٹی تو لے کر جایئے۔ وہ ریٹائرڈ بیوروکریٹ وہیں بیٹھے بیٹھے انفرادی طور پر ہائی ٹی لے لیتے ہیں اور بوجھل قدموں سے قائد اعظم کے مزید کمالات سن کر اشک بہائے بغیر ہال سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

سیلاب کی تباہ کاریوں کا تیسرا دن زرا واقعی بھاری واقع ہوتا ہے کہ جب ایک مقرر پانی بچانے کی تحریک میں اپنے جثے کی برابر زور لگاتے ہوئے سامعین کو یہ کہہ کر جذباتی کر رہے ہوتے ہیں کہ بھائیو اور بہنو اگر ہم روزانہ ایک چھوٹی سی نیکی کریں تو ایک سال بعد نیکیوں کی تعداد 365 ہو جائے گی اور اگر ہم میں سے ہر شخص روزانہ محض ایک قطرہ پانی کا اصراف بچائے اور ایک قطرہ ضائع ہونے سے بچائے تو ہم پچاس کروڑ قطرے روزانہ کے حساب سے سالانہ لگ بھگ دو ملین ایکڑ مکعب فٹ پانی بچا کر صرف زراعت ہی کی پیداوار دگنی کر سکتے ہیں۔ ایک دل جلا سوال کرتا ہے کہ جناب اگر ہم بارشی پانی شہروں میں اور سیلابی پانی دیہاتوں میں چھوٹے چھوٹے بند باندھ کر ذخیرہ کر لیں تو جو سالانہ پینتیس ملین ایکڑ فٹ پانی ہم سمندر کے مہیب پیٹ میں ڈال دیتے ہیں تو اس سے کیا پورے ملک میں اناج کی پیداوار دگنی نہیں کی جا سکتی؟ مقرر ذرا سا تضحیکانہ سانس لینے کا وقفہ کرتے ہیں اور یہ کہہ کر سٹیج سے اتر جاتے کہ بھائی یہ قدرت اور حکومت کا کام ہے بھلا اس میں ہم کیا کریں؟

چوتھا دن ذرا تمسخرانہ انداز لئے ہوئے ہے۔ ایمپوریم میں کھیلتے بچوں کی ماں ایک دوسری ماں سے مخاطب ہے اور فرماتی ہے کہ چالیس برس قبل جب ہم گاؤں چھوڑ کر لاہور آن بسے تو میری جیٹھانی نے جلاپے میں ہمیں خوب جلی کٹی سنائیں۔ اب دیکھو ناں اگر ضد نہ کرتی تو تمام کچے مکانوں سمیت سیلابی ریلے میں بہہ تو نہ جاتی۔ اب ہمیں سسر اور چھوٹی بیٹی کے مرنے کے فون کر رہی ہے۔ مخاطب خاتون انسانی جانوں کے ضیاع، جانوروں کی ہلاکت اور گاؤں کے گاؤں اجڑ جانے پر کف افسوس ملنے کی بجائے فرما رہی ہیں کہ جلنے والا کا منہ تو اللہ ہی کالا کر دیتا ہے۔ اب دیکھیں ناں میری ساس۔۔۔۔۔

پانچویں دن میڈیا اور تخت کی جنگ لڑتی حکومت کی وزیر ماحولیات سے بی بی سی کی سیلابی تباہ کاریوں پر حکومتی اقدامات بارے پوچھا جا رہا ہے اور وہ فل میک اپ اور برانڈڈ سوٹ زیب تن کئے بہت شاہانہ انداز میں سجے محل نما دفتر سے فرما رہی ہیں کہ حکومت نے عالمی برادری سے مدد کی اپیل کر دی ہے، پچیس ہزار فی برباد گھر امداد فراہم کر رہی ہے لیکن سابق وزیر اعظم نشہ کر کے ابھی تک گھر ہی میں لیٹے ہوئے ہیں۔ متمول لاہوری نیٹ فلیکس پر فلم دیکھتے ہوئے وقفے وقفے سے سیلاب کی تباہ کاریوں کے کلپ دیکھ کر دل سے افسوس کے اظہار کے ساتھ متاثرین سیلاب کے ساتھ یک جہتی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ یہ تباہ کاری ڈیم نہ بنانے کے سبب ہوئی ہے۔ مزید ارشاد فرماتی ہیں کہ اب تک ہم 12 اور بھارت اپنے دریاؤں کے علاوہ ہمارے دریاؤں پر 112 ڈیمز تعمیر کر چکا ہے۔ اور لگ بھگ پچاس ڈیمز کی پلاننگ ابھی پائپ لائن میں ہے۔ اب بتائیں ہماری حکومت کیا کرے؟

چھٹے دن ٹی وی وغیرہ سیلاب زدہ علاقوں کی جزوی کوریج شروع کر دیتے ہیں لیکن پہلی خبر میں وزیر اعظم کی سیلابی علاقوں میں امدادی سرگرمیاں بتا کر بطور خاص ثواب کی خاطر یہ بھی بتا رہے ہیں کہ سابق وزیر اعظم ابھی تک اپنے محل سے نکل کر سیلاب زدگان تک نہیں پہنچے۔ لاہور والوں کے دماغ پر آفت کے باعث پڑا "بے پناہ بوجھ" ذرا کم ہوا ہے اور غرباء بجلی کے بلوں سے حذف شدہ چارجز ٹھیک کرانے نکل پڑے ہیں، متوسط گھرانے آلو پکوڑے بنانے کے لئے بیسن گھول رہے ہیں اور طبقہ امراء حیرت سے ان دونوں طبقات کو دیکھ دیکھ کر پریشان ہے کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟

ساتواں دن سیلاب زدگان کے لئے جزوی طور پر دو خوش خبریاں لے کر آیا ہے۔ پہلی یہ کہ پچھلے پچھتر برسوں کی طرح اس بار بھی حکومت نے تباہیوں کا نوٹس لے لیا ہے اور فی برباد گھرانہ پچیس ہزار روپیہ ملے گا اور دوسری خوشخبری یہ ملی ہے کہ فوجی جوانوں نے تباہ کاریوں میں مدد دینے کے آپریشن کا آغاز کر دیا ہے۔ لیکن جس چیز کا محض ذکر ہی ہونے سے رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ حکومت آئندہ کے سیلابی ریلوں کو چھوٹے بڑے ڈیم بنا کر اپنی پانی ذخیرہ کرنے کی تیس دن کی صلاحیت کم از کم بھارت ہی کے برابر سو دن کی کر لے گی۔ حالانکہ خالی بیان ہی تو دینا ہے کونسا کالا باغ ڈیم بنا ہی لینا ہے؟ لیکن زیاں تو ایک طرف احساس زیاں بھی چلا گیا ہے کہیں۔۔۔۔

اللہ رحمت کرے اور عوام مزید تباہی سے بچی رہے لیکن اگر دخل در معقولات نہ ہو تو کیا میں یاد دلا سکتا ہوں کہ کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرنے والے اب کیوں نہیں بولتے۔ دریائے کابل سے ایک قطرہ نوشہرہ میں داخل نہ ہو سکتا اگر اس ڈیم کو بننے دیا جاتا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ سب کے سب

لاکھوں کیوسک دہرے المیے کو جنم دے رہے ہیں یعنی انسانی آبادیوں کی تباہ کاریاں اور اتنا قیمتی پانی سمندر کے مہیب پیٹ کی نذر ہو رہا ہے۔

2008ء میں جب میں تونسہ بیراج پر تھا تو سات لاکھ کیوسک کا ریلہ گزرا جو اللہ کی رضا سے اور چوہدری اختر مرحوم ہیڈ پی ایم او بیراجز پنجاب کی انتھک کوشش سے ہمارا بیراج برداشت کر گیا۔ اب تو اس میں اتنے پانی کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رہی۔ اللہ نے مجھے بھی نئی زندگی دی تھی جب میری گاڑی بیراج کے ادھڑتے کنارے پر پھنس گئی تھی۔

ہیڈ مُنڈا کا ایک حصہ ٹوٹ چکا ہے۔ دریائے کابل نے نوشہرہ شہر کو ڈبو دیا ہے۔ اس وقت صرف دریائے کابل پر 4 لاکھ کیوسک پانی ہے جس سے چارسدہ، نوشہرہ، پشاور متاثر ہیں۔

دریائے سندھ میں طغیانی ہے۔ پاکستان کا سب سے بڑا ڈیم تربیلا لبالب ہو چکا ہے۔ مزید پانی کی گنجائش نہیں اور تمام سپل ویز مکمل کھولے جا چکے ہیں۔ اوپر پہاڑوں پر نگر و کوہستان کے علاقوں سے پانی انڈس میں داخل ہو رہا ہے جس سے صورتحال خطرناک ہو رہی ہے۔

یہ سیلاب بھکر پہنچ کر 5 لاکھ کیوسک تک بڑھے گا۔ جس سے مظفر گڑھ، کوٹ ادو، علی پور جتوئی ، گڈو۔ لیہ، راجن پور متاثر ہونے کا پورا امکان ہے۔ یہ سیلاب سندھ میں جب داخل ہو گا تب 7 لاکھ کیوسک تک بڑھے گا جبکہ ابھی سکھر بیراج سے 5 لاکھ کیوسک پانی پہلے ہی گزر رہا ہے۔۔

ایک اور بڑی تباہی آنے والی ہے. اب تک موجودہ سیلاب سے چار کروڑ سے زائد افراد متاثر ہوئے ہیں۔ اپنے سیلاب زدگان ہم وطنوں کی ہر صورت سے مدد کیجئے

پہلے اپر اور لوئیر رائپیریز کا کانسپٹ اگر سمجھ میں آجائے تو شعور اجاگر ہو جائے گا۔ وہی جو سندھ نیچے ہونے کے باعث سال بھر شور مچاتا رہتا ہے اور پنجاب سے نفرت ابھارتا ہے۔ پانی کی یہ جنگ 1960ء سے پاک بھارت کے درمیان سندھ طاس معاہدے کے وقت سے جاری ہے بلکہ اس سے بھی 20 برس قبل انگریز نے دریائے سندھ اور گنگا کے پانیوں کو استعمال کرنے پر پابندی لگا دی تھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انگریز سندھ اور کے پی کے سیاسی رہنماؤں سے زیادہ پاکستان کا خیر خواہ گردانا جائے گا۔

اب تک ہم 12 اور بھارت اپنے دریاؤں کے علاوہ ہمارے دریاؤں پر 112 ڈیمز تعمیر کر چکا ہے۔ اور لگ بھگ پچاس ڈیمز کی پلاننگ ابھی پائپ لائن میں ہے۔

آج وہ بھارتی ایماء پر متنازع کالا باغ ڈیم تعمیر ہو چکا ہوتا تو کم از کم دس ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کر لیتا اور کے پی و سندھ میں ایسی تباہ کاری نہ ہوتی جس منصوبے کو زرداری نے سرکاری سطح پر ختم کرنے کا انوکھا اعلان کر دیا تھا صدر بنتے ہی لیکن اس اعلان پر بھی پوری عوام ستو پی کے سوئی رہی۔ ہن ہور چوپو۔

تنویر شاہ

ڈاکٹر صاحب میں کوہاٹ سے تعلق سے رکھتا ہوں۔ وہاں بارش ہوئی تو تاندہ ڈیم منجمنٹ والوں نے پانی کو ڈیم میں نہیں جانے دیا، پانی کا ریلا دریائے سندھ کی طرف گیا۔۔۔

وہاں میں موجود تھا تو سوال کیا کہ آپ لوگوں نے سارا پانی ضائع کیوں کیا۔۔۔

ان میں سے ایک بندے نے جواب میں کہا ہم صرف گلیشیر کا پانی ہی ڈیم میں چھوڑ دیتے ہیں۔

نہیں تو ڈیم مٹی اور کوڑے سے بھر جائے گا

ڈاکٹر

جی درست گلیشئر کے علاوہ سیلابی ریلے میں اتنا گند ہوتا ہے کہ اگر اسے بھی گرنے دیا جائے تو ڈیم کا فرش بہت جلد اوپر آ جاتا ہے جس کو صاف کر کے دوبارہ قابل استعمال بنانے میں خرچہ ایک نئے ڈیم جتنا اٹھتا ہے۔

"گناہ و ثواب"

کالم میٹھا سچ 536۔ از ڈاکٹر سلطان محمود

4 ستمبر 2022ء

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم عظیم مبلغ دین تھے اور بات بھی درست کرتے تھے لیکن وہ قدرتی آفات کو ہم مسلمانوں کے گناہوں سے جوڑ دیا کرتے تھے۔ قارئین کا متفق ہونا ضروری نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ آفات کو گناہ و ثواب سے جوڑنے کی بجائے ہمیں اپنی انفرادی و اجتماعی mismanagement کو عذاب کی وجہ قرار نہیں دینا چاہئے بلکہ اپنا محاسبہ کر کے ان فیصلوں کی جانچ پڑتال کرنی چاہئے جو ہم نے بروقت نہیں کئے تھے۔

دیگرے دنیا سائنس کی روشنی میں انتہائی تیز رفتاری سے آگے کی جانب بھاگتی چلی جا رہی ہے اور نتیجے کے طور پر دنیا بھر میں مذاہب کمزور پڑتے جا رہے ہیں بلکہ معدوم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان ان مذاہب سے موجود دنیا کے مستقبل میں جھانکنے کی بجائے براہ راست اگلے جہان میں چھلانگ مار جاتا ہے لہٰذا تصور یہ ابھرتا ہے کی مذہبی عناصر یا تو ماضی سے چپکے رہنے میں عافیت اور آرام محسوس کرتے ہیں اور حال کے سوالات میں خود کو لاجواب پا کر باقی دنیا کے طنز کے باعث نظریں چراتے ہوئے یکدم جنت دوزخ میں انسان کو گھسانے کی باتیں کرنا شروع کر دیتے

ہیں۔ اور اس کی بھی وجہ وہی ہے کہ ہم جن باتوں کو گناہ و ثواب سے جوڑ دیتے ہیں جو نہی ان کی تہہ میں اترتے ہیں تو اپنی ہی کوتاہیاں نظر آنے پر نظریں چرانے لگ جاتے ہیں۔

اللہ جتنا قہار و جبار ہے اس سے ستر گنا زیادہ رحمان و رحیم بھی ہے اور انسان سے ستر ماؤں جتنا پیار بھی کرتا ہے لہٰذا وہ ہمیں ڈبو ڈبو کر اور جلا جلا کر بھلا کیوں مارے گا؟ یہ محض ہمارے ہی غلط فیصلے ہوتے ہیں جو ہمیں سیلابوں، زلزلوں اور آگ کا شکار کرتے ہیں اور جوں جوں ہم اللہ، جسے مغرب میں قدرت کہتے ہیں، کے خلاف نظام پلٹنے کے غلط اور متشددانہ فیصلے کرتے چلے جاتے ہیں تو اس کے نتائج جب سامنے آتے ہیں تو پھر ہم حقیقت سے آنکھ چراتے ہوئے اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے اسے گناہ کی سزا کے طور پر اللہ پر ڈال دیتے ہیں۔

میرے ذہن میں کچھ سوالات اکثر اٹھتے رہتے ہیں کہ جاپان، امریکہ یا دیگر ترقی یافتہ غیر مسلم قومیں کیوں ان آفات کو اپنے گناہوں کا نتیجہ قرار نہیں دیتیں؟ اور کیسے انہی آفات سے کماحقہ نپٹنے کے لئے سائنس کی روشنی میں اپنے مستقبل کو محفوظ بنا لیتی ہیں؟ ان ممالک میں بھی مذہبی عناصر ڈاکٹر اسرار مرحوم جیسے قد آور علمائے دین جیسی باتیں کرتے نظر آتے ہیں لیکن میں پچاس برسوں سے جتنی بھی دنیا گھوم سکا ہوں یہ مشاہدہ کرتا چلا آرہا ہوں کہ ایسے مذہبی عناصر روز بروز سمٹ کر بونے ہوتے چلے جارہے ہیں اور ان سے باغی ہو کر بچھڑنے والی خدائی سائنس کی چھتری کے نیچے آتی چلی جارہی ہے اور اسی طرح وہ دن مجھے اب قریب لگنے لگ گیا ہے جب سائنس اور مذاہب ہاتھ سے ہاتھ ملا کر کھڑے نظر آئیں گے۔ تب آج کے اور ماضی کے اور مستقبل قریب کے بھی محدود علم والے ملا حضرات ششدر رہ جائیں گے۔

بہر طور میرا ابھی بھی ماننا یہ ہے کہ سبھی ترقی یافتہ اقوام کے ابتدائی سیاسی رہنماؤں نے قرآن کو اپنی اپنی زبان میں ترجمہ کرا کے رہنمائی لی ہے جو برٹرنڈ رسل، ماؤزے تنگ اور بن گوریان کے اقرار کی شکل میں آج بھی عالمی لٹریچر کا حصہ ہے۔ لیکن اگر کسی امت نے اپنی ہی الہامی کتاب سے صرف عبادات کرنے کی رہنمائی لی ہے مگر معاملات کے احکامات پر عمل نہیں کیا تو وہ ماشاءاللہ ہم مسلمان ہیں۔

"میراثی"

کالم میٹھا سچ 537 از ڈاکٹر سلطان محمود

4 ستمبر 2022ء

افسوس کا مقام ہے کہ ہم من حیث القوم میراثی بنتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے ہیروز کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے تو کم از کم جگتیں بھی نہ ماریں۔ پہلے جگت بازی میں فیصل آباد بدنام تھا لیکن اب سیالکوٹ، گجرات اور لاہور کے بھی کیا کہنے۔ یہ شاید آفتاب اقبال جیسے اینکرز کے میراثیوں بھرے جگت بازی کے پروگرامز کے اثرات ہیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے کئی اور بھی غیر سنجیدہ لوگ اس گھٹیا طرز کی نشریات کے اینکر بن گئے ہیں جنہوں نے رہے سہے میراثیوں کو بھی ٹی وی پر بٹھا دیا ہے۔

تو میں عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ چین، کوریا، بھارت، روس وغیرہ میں کوئی شہزاد جیسے کاریگر کی تضحیک کرے تو شاید اسے عوام ہی سنگسار کر دے مگر ہمارے مین فریم میڈیا نے شہروں کے شہروں کو غیر سنجیدہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ چاہے کوئی ٹیکس چور صنعت کار ہی کیوں نہ ہو تو وہ ایسے ذہین کاریگروں کی پشت پناہی کرتے ہوئے اپنی مقامی صنعت کو فروغ دے دے تو اسے سات خون معاف کر دیئے جائیں۔ تسلسل سے ٹی وی دیکھنے والے ذرا یاد کر کے بتائیں کہ کبھی کسی سائنسدان اور تکنیکی ماہر کو بھی کسی سنجیدہ پروگرام میں دیکھا ہے؟ پانی سے گاڑی چلانے والے کو تو جھپٹ کے

حامد میر اپنے پروگرام میں لے آیا کیا اسے اب توفیق ہو گی کہ ایسے ہنر مندوں کو بھی عوام کے سامنے پیش کرے؟

"قیام پاکستان کی کہانی دشمن کی زبانی"

کالم میٹھا سچ 538 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 ستمبر 2022ء

ایوب یونہی سر پر نہیں چڑھ رہا تھا کیونکہ انگریز اسے قیام پاکستان سے پہلے ہی اپنی میٹھی میں لے چکے تھے۔ اور فوج کے سیاسی کردار سے آگاہ کر چکے تھے جو اس وقت تک ضروری تھا جب تک سوویت یونین توڑا نہ جاتا۔

قائداعظم کے گورنر جنرل والے حلف میں یہ الفاظ شامل تھے کہ "میں تاج برطانیہ کا وفادار رہوں گا" قائداعظم نے خود پانچ بڑے عہدے انگریزوں، ہندوؤں اور مرزائیوں کو دیئے۔

قائداعظم نے اپنے قریبی دوست میر لائق علی کو قیام کے فوراً بعد واشنگٹن بھجوا دیا کہ حکومت امریکہ کو وہ وعدے یاد دلا کر نقد اور فوجی مدد لے کر آئیں جو جنیوا میں امریکی سفیر نے ان کے لندن قیام کے دنوں میں، قیام پاکستان سے بارہ سال قبل کئے تھے، اور انہیں انڈیا آ کر مسلمانوں کی قیادت کرنے کا کہا تھا۔ میر لائق علی کو چھ ماہ واشنگٹن رہنا پڑا اور وہ 12 کروڑ ڈالر کی پہلی مدد جب لے کر واپس لوٹے تو نہرو نے کہا کہ جناح گورے کے ایجنٹ ہیں۔ امریکہ میں جرمنی کے سفیر نے

کہا کہ اب یہ ملک کبھی بھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے گا۔ یہ واقعات ان انور کی جانب نشان دہی کرتے ہیں کہ امریکی کیمپ میں جانے کی تیاری بہت پہلے کی تھی۔

قائداعظم اور لیاقت علی خان قیام پاکستان سے بہت پہلے ہی سے روس مخالف اور انگریز دوست سمجھے جاتے تھے۔

علامہ اقبال کو گورے نے مجبور کر کے قائداعظم کو واپس لانے کے لئے لندن کی 1931ء والی دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس کے بہانے بلایا اور کامیابی پر 1937ء میں سر کا خطاب دیا۔

ولی خان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ لینن و سٹالن کے کمیونسٹ انقلاب کو ناکام بنانے کے لئے امریکہ نے پاکستان بنوایا اور جناح کو انگریز نے وکیل کے طور پر پاکستان الگ کرنے کا کیس دیا جو انہوں نے کسی خاص رکاوٹ کے بغیر جیت لیا۔ اس میں انہیں تاج برطانیہ، امریکی حکومت اور بھارتی کانگریس کے علاوہ مسلمان جاگیر داروں کی پوری حمایت حاصل رہی۔ پھر امریکہ ہی کے اشارے پر جناح اور پاکستان کے شدید مخالف علمائے کرام بھارت چھوڑ کر ادھر ہی آ گئے مولانا مودودی اور تھانوی صاحب سمیت۔ یہ تاریخ میں پہلی بار ہوا تھا کہ دو ممالک کو آزادی دیتے وقت فوج اور اسلحہ بھی بھی تقسیم کیا گیا۔

پھر ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جماعت اسلامی نے پہلی اور آخری بار جمہوریت کے نام پر فاطمہ جناح کا ہی صرف ساتھ دیا لیکن اس کے بعد ہمیشہ فوج کا ساتھ دیا اور ضیاء الحق سے وزارتیں تک کے لیں نیز جی ایچ کیو کے گیٹ نمبر چار سے اپنی وفاداری کی بھاری فیس بھی وصول کی۔

نئے ملک کے لئے انگریس کی حمایت اسوقت کھلی جب 1948ء کے اوائل میں کشمیری محاذ پر جنگ چھڑی۔ بھارتی فوج نے نہرو سے بے حد لاغر اور نوزائیدہ مملکت پر قبضہ کرنے کی اجازت چاہی جس کا اس نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے مشورہ کر کے انکار کر دیا۔

پھر چشم فلک نے دیکھا کہ اسی پاکستانی فوج کے ذریعے امریکہ نے سوویت یونین توڑا۔ نیز بے شمار جگہوں پر ہماری فوج کو کرائے پر استعمال کیا۔

کہاں تک سناؤں اور پھر آپ کہاں تک سنیں گے۔۔۔۔

(سارے حوالے مختلف قومی اور عالمی سطح پر چھپنے والی کتابوں میں موجود ہیں)

"کرائے کے لکھاری"

کالم میٹھا سچ 539 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 ستمبر 2022ء

شکریہ آپ نے خیر خواہوں کا مشورہ مان کر ذاتیات سے اوپر اٹھنے کو ترجیح دی۔ ادب سے کچھ نقاط پر آپ کو متوجہ کروں گا وقت نکال کر اور ٹھنڈے دل سے پڑھنے کی درخواست ہے کیا کوئی اپنے آپ کو خود جھوٹا کہتا ہے؟ یقیناً نہیں۔

ادراک یا Perception:

یہ ہر انسان کا اپنا ادراک ہے کہ وہ اپنے آپ کو سچا اور دوسرے کو جھوٹا خیال کرے۔ ورنہ یہی ادراک بذات خود چھ مختلف حقائق پر مشتمل چوں چوں کا مربہ ہے اور اس کی بنیاد پر کوئی دو انسان شاید ہی ایک جیسے ملیں۔ کیونکہ ہر دو انسانوں کی الگ الگ وراثت (یعنی جینز)، مختلف خاندانی پس منظر، مختلف مدارج تعلیم، آئی کیو کے مختلف درجات، پہلے بارہ سالہ گھریلو و مدرسے کے ماحول کی تربیت اور ذاتی پسند ناپسند ان کے ادراک کو تعمیر کرتی ہے۔

دوسرا نقطہ اپنی ہی ذات کو پسند کرنے والی کمزور سی سوچ سے متعلق ہے۔

دھوکا یا Illusion

یہ ایک طرح کا دھوکا ہوتا ہے جو عام طور پر معاشرے کے کامیاب انسانوں کو لگنے والی ایک بیماری ہے۔ ہمیں اس خوش فہمی سے باہر نکلنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ہمارے ادراک کا دھوکا ہے۔ اس میں انسان اپنی ہی سمجھ کے مطابق تعین کردہ سچ کو ہی سچ تصور کر لیتا ہے۔ اس سے ہمیں باہر نکلنا ہو گا ورنہ ہم کو وہ خود پسندی جو غرور کی جانب لے جائے اس کی دلدل سے شاید ہی کوئی نکال پائے۔ حضرت علی رض نے نہج البلاغہ میں خود پسندی کو "ضد الصواب" کے نام کی بیماری سے منسوب کیا ہے۔ کیونکہ ان کے بقول یہ غرور کی جڑ ہے جو اللہ کے سوا کسی کو زیب نہیں دیتا۔

تیسرا نقطہ شیم عام بیمار انسان یا کسی نفسیاتی الجھن کے شکار شخص کی حد تک تو ٹھیک ہے اور اس لفظ کو انوکھے انداز میں بیان کر کے عام قاری سے شاباش لی بھی جا سکتی ہے لیکن اسے سیاسی نفسیات پر لاگو کرنا ذرا محال ہے۔ مثلاً ایک عدالت یا کوئی اور اہم ادارہ کسی سیاست دان کو لوٹ مار میں ملوث کہہ دے تو نفسیاتی طور پر اس کے مقلدین شرمندگی کا شکار ہو کر بیک فٹ پر چلے جائیں گے۔ پاکستان سمیت دنیا کے دیگر ممالک میں اس بدنام رہنماء کو پوتر ثابت کرنے کے لئے ایجنسیاں یا ایجنٹ کرائے پر حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ جو ٹوٹنے والے لوگوں کو نہ صرف واپس بلاتے ہیں بلکہ شیم کے شکار لوگوں کو بھی نفسیاتی طاقت دینے کی خاطر بوسٹر ڈوز دیتے رہتے ہیں۔ میرے تجزئے کے مطابق آپ ہر گز کوئی بکاؤ مال نہیں ہو سکتے اس لئے جو نون لیگی، پیپلز پارٹی یا مذہبی جماعتوں کا ووٹر مایوس ہو کر شیم میں چلا گیا ہے اور روز بروز خان کو تقویت دے رہا ہے ان پر زور آزمائی کرنے کی اب ضرورت ہی نہیں رہی۔

شعلہ تھا جل بجھا ہوں ہوائیں مجھے نہ دو۔۔۔

میں کب کا جا چکا ہوں صدائیں مجھے نہ دو۔۔۔!!

آخری نقطہ مہنگائی کے الزام والا ہے۔ آپ بھی سمجھتے ہیں کہ 75 سالہ تاریخ میں یہ جنس صرف اوپر جاتی ہے نیچے کبھی نہیں آتی کیونکہ اس میں عالمی کساد بازاری کے علاوہ مقامی مافیاز آپس میں جڑ کر کارٹلز بنا لیتے ہیں۔ اس لئے لوگ ہوا کی سرسراہٹوں کا جواب نہیں دیتے بلکہ انہیں دکھی دل سے باقاعدہ عملاً آواز دینی پڑتی ہے۔ جس سے اس وقت تحریک انصاف سمیت چاروں پانچوں بڑی سیاسی جماعتیں فارغ ہیں۔

اور ستر سالہ زمینی حقائق ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہمارے ہاں حکومتوں میں لانے والا ایک ہی کندھا ہے لیکن چند مفاد پرست روتے اس وقت ہیں جب یہی کندھا کسی اور کا ہو جاتا ہے۔

"کیا انسانی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہے؟"

کالم میٹھا سچ 540 از ڈاکٹر سلطان محمود

18 ستمبر 2022ء

لکھنے والے نے کمال کر دیا اور موبائل کی پہلی نسل کو G 1 کا نام دیا گیا یعنی فرسٹ جنریشن کا نام دیا گیا۔ دنیا کے پہلے موبائل کا بنیادی کام صرف کال کروانا تھا۔

اور اس موبائل میں کال کرنے اور سننے کے سوا کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوتا تھا۔

پھر جب موبائلز میں SMS یعنی سینٹ میسج کا آپشن ایڈ ہوا تو اسکو 2G یعنی سیکنڈ جنریشن کا نام دیا گیا۔

پھر جس دور میں موبائلز کے ذریعے تصاویر بھیجنے کی صلاحیت بھی حاصل کر لی گئی تو اس ایج کے موبائلز کو G 3 تھرڈ جنریشن کا نام دیا گیا۔

اور جب بذریعہ انٹرنیٹ متحرک فلمز اور مویز بھیجنے کی صلاحیت بھی حاصل کر لی گئی تو اس ایج کے موبائلز کو G 4 یعنی فورتھ جنریشن کا نام دیا گیا۔

اور ابھی جب موبائلز کی دنیاG5 کی طرف بڑھ رہی تو اس وقت تک دنیا کی ہر چیز کو موبائل میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔

آج دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا کام ہو گا جو موبائل سے نہ لیا جا رہا ہو۔ مگر حیرت ہے کہ اتنی ترقی کرنے اور نت نئے مراحل سے گزرنے کے باوجود یہ موبائل آج بھی اپنا بنیادی کام نہیں بھولا۔

آپ کوئی گیم کھیل رہے ہوں یا فلم دیکھ رہے ہوں، انٹرنیٹ سرچنگ کر رہے ہوں یا وڈیو بنا رہے ہوں۔۔۔ الغرض موبائل پر ایک وقت میں مثلاً 10 کام بھی کر رہے ہوں۔ لیکن جیسے ہی کوئی کال آئے گی موبائل فوراً سے پہلے سب کچھ چھوڑ کر آپ کو بتاتا ہے کہ کال آ رہی ہے یہ سن لیں۔ اور وہ اپنے اصل اور بنیادی کام کی خاطر باقی سارے کام ایکدم روک لیتا ہے۔

اور ایک انسان جسے اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور ساری کائنات کو اس کی خدمت کے لیے سجا دیا، وہ اللہ کی کال پر دن میں کتنی بار اپنے کام روک کر مسجد جاتا ہے؟ مسجد جانا تو درکنار اب اللہ کی کال یعنی اذان پر ہم اپنی گفتگو بھی روکنا مناسب نہیں سمجھتے۔

کاش ہم موبائل سے اتنا سا ہی سبق سیکھ لیں جسے ہم نے خود ایجاد کیا اور ایک لمحہ بھی خود سے جدا نہیں کرتے کہ دنیا کے سب ہی کام کرو مگر اپنی پیدائش کا بنیادی مقصد اللہ کی عبادت کبھی نہ بھولو۔ اذان ہوتے ہی سب کچھ روک کر مسجد چلو اور اللہ کی کال پر لبیک کہو۔"

بہت خوبصورت مثال پیش کی گئی ہے۔ لیکن ہمارا نکتہ نظر مختلف ہے۔

جہاں تک موبائل کی مثال سے انسان کی تخلیق کی اولین ذمہ داریوں پر توجہ دینے پر زور دیا گیا ہے تو یہ بات صرف اس مذہبی گروہ کو خوش کر سکتی ہے کہ جن کا خیال ہے کہ انسان کو صرف اپنے خالق کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ہم اس سلسلے میں سو سال قبل کے مولانا الطاف حسین حالی کے خیال سے متفق ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو۔۔۔

ورنہ اطاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں۔۔۔!!

اقبال کے بھی نظریہ دین میں ملا، صوفی اور غیر مقلد مسلمان فلسفیوں سے بیزاری کا ایک تاثر ملتا ہے لہذا وہ بھی حالی کے خیالات سے متفق نظر آتے ہیں۔

اب حالی کے درد دل اور اقبال کی ملائیت سے بیزاری سے مراد انسان کا دوسرے انسان کو مشکلات سے نکال کر آسانیوں کی جانب لے جانا ہے تو پھر انسان نے موبائل ایجاد

کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور یہ مشین عنقریب ساری انسانیت کو اپنے ساتھ منسلک کر بھی لے گی۔

اس کی ایجاد اور ترقی میں پہلی حقیقت یہ ہی ہے کہ اسے ایجاد کرنے اور فائیو جی تک پہنچانے کے قابل انسانوں کا وہ گروہ کامیاب ہوا ہے جو مختلف مذاہب پر تو مشتمل تھے اور

زیادہ تر ایک خدا کو ماننے والے بھی تھے لیکن گمان غالب ہے کہ ان سبھی نے کبھی بھی دنیا میں آنے کے مقصد کو اپنے خالق کی عبادت سے نہ جوڑا ہو نیز عبادت کو نہ ہی کبھی اپنی اولین ذمہ داری سمجھا ہو اور شاید کبھی بھی اپنے خالق کی آواز پر توجہ بھی نہ دی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سلسلہ عبادات سے کوسوں دور رہے ہوں بشمول 0.05 فیصد مسلمانوں کے جن کا اس مشینی ایجاد اور ترقی میں عملاً کوئی حصہ ہی نہیں بنتا۔ چونکہ اس ایجاد کو سنوارنے پر کروڑوں غیر مذہبی لوگ ہما وقت لگے رہتے ہیں تو البتہ یہ تخمینہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے بانیان نے اپنے خالق خدا کی عبادت کو چونکہ نظر انداز کئے رکھا لہٰذا شاید احساس ندامت کو دھونے کے لئے اس بے جان مشین کے بنیادی فنکشن کو اس لئے جان بوجھ کر اس میں شامل رکھا ہو کیونکہ اگلی صدیاں کمیونیکیشن کی تھیں لہٰذا وہ اپنے اپنے خداؤں کی اس نعوذ باللہ کوتاہی کا ازالہ چاہتے ہوں گے جس کا اس خدا نے انسان کو اختیاری فنکشن دے دیا اور اپنی عبادت کروانے سے آہستہ آہستہ محروم ہوتا چلا گیا۔ لیکن ایسا ہوا لگتا نہیں۔

لیکن دوسری حقیقت زیادہ جاندار ہے اور وہ یہ کہ اس مشین کی ترقی کی دوڑ میں شامل کروڑوں لوگوں کے ذہن میں اس مشین کو مذاہب سے جوڑنے کا کبھی خیال ہی نہ آیا ہو گا۔

" انسان اپنی قبر منہ سے کھودتا ہے"

کالم میٹھا سچ 541 از ڈاکٹر سلطان محمود

15 اکتوبر 2022ء

ایک دوست نے بھارتی ڈاکٹر کی صحت بارے ٹپس پر ہمارا تبصرہ مانگا تو ہم نے عرض کی کہ ہمارے خیال سے یہ بھارتی ڈاکٹر بات تو بالکل درست کر رہی ہیں لیکن منع کی گئی غذاؤں کا متبادل نہیں بتا پائیں سوائے مشروبات کے۔ دوم حاصل مطالعہ یہ ہے کہ نمک، چینی اور چکنائی کا آمیزہ کسی ایک کھانے میں نہیں ہونا چاہئے جو کہ فاسٹ فوڈز کا بنیادی جزو ہے اور ایک المیہ بھی ہے۔

دنیا کا بہترین مشروب تو صاف پانی ہے لیکن اگر کھانے کے ساتھ اس میں کچھ ملانا ضروری ہی ہے تو پھر کچھ محنت کرنی پڑے گی۔ ہم بچے کھچے پھلوں کو ابال اور نتھار کر نیم گرم گھونٹ گھونٹ کر کے کھانے کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں چینی ملائے بغیر۔ سوڈے تو تیزاب، چینی اور مصنوعی رنگوں کا زہریلا آمیزہ ہیں جنہیں فرج اور کھانے کی میز پر جگہ نہیں ملنی چاہئے۔

روٹی، ڈبل روٹی، نوڈلز، بسکٹ، رس وغیرہ میں مسنگ فیکٹر چھان ہے جو گندم کی پراسیسنگ میں نکال لئے جانے کے بعد باقی صرف میدہ وغیرہ ہی بچتا ہے جس میں سے وٹامنز، منرلز و پروٹینز بھی نکل جاتے ہیں لہٰذا باقی محض ڈبل چینی بچتی ہے جو ذائقے میں پھیکی رہ کر بھی ایک گھنٹے کے اندر اندر

خون میں شوگر ایمر جنسی لگانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن پھر بھی اس لئے غنیمت ہے کہ آرگینک یعنی قدرتی چینی ہے مگر چھان یا فائبر کا ساتھ ٹوٹنے کے باعث گھنٹوں کی بجائے منٹوں میں لبلبے سے انسولین نچوڑ لیتی ہے اور ایسا ہم ساری زندگی مسلسل کرتے رہتے ہیں لہٰذا نتیجہ ذیابیطیس و فیٹی لیور اور ان کے نتیجے میں موٹاپہ، امراض دل اور بلند فشار خون کی شکل میں بر آمد ہو کر آج ہماری 35 فیصد آبادی کو شکار کر چکا ہے نیز یہی عالمی اوسط بھی ہے۔

اب ذرا نہیں پورا سوچیں کہ اگر ہم نے کھانے کے ساتھ ان آرگینک چینی یا سفید زہر کا بھی ٹانکہ لگا رکھا ہے تو آنے والی نسل کسی بھی صورت میں صحت مند نہیں رہ سکتی۔ اس کا کچھ کچھ حل بڑے شہروں میں میسر ہے کیونکہ بڑے سٹورز پر اب چھان یا چوکر الگ سے بھی دستیاب ہے۔

بیکری آئٹمز 90 فیصد مضر صحت ہوتی ہیں وجہ ناقص تیل بلکہ جانوروں کی آنتوں کو گرم کر کے نکالے گئے تیل سے بنتی ہیں۔ پھر دو تین ظلم مزید کر کے یہ آئٹمز تو سرے سے صحت کی دشمن بن جاتی ہیں مثلاً ان آرگینگ چینی، کیمیکل گریڈ مصنوعی رنگ اور دوران پراسیس گندگی بیکری آئٹمز کا خاصہ ہیں۔ اس کا متبادل ہمارے اپنے گھر کے کچن میں محنت ہے جسے ہماری عورت برابری کے حقوق حاصل کرنے کی دوڑ کے باعث چھوڑتی چلی جارہی ہے یا پھر مرد بھی کچن کے کام میں ہاتھ بٹا سکتا ہے اگر وہ گھر کو بھی وقت دے اور گھر آتے ہی مہمان ہستی بن کر محض عورت یا نوکروں پر حکم نہ جھاڑتا پھرے۔ بدقسمتی سے متمول گھرانوں میں تو اب عورت گھر میں ٹھہرتی ہی نہیں اور ڈیپارٹمنٹل سٹورز سے بیماریاں خریدتی نظر آتی ہے اور فوڈ سپلیمنٹس کے سٹورز سے کیمیکلز سے بنی مصنوعی دوائیں اور وٹامنز۔

اب چوتھے گروپ کی جانب چلتے ہیں۔

اور وہ ہیں اوور کوکڈ گوشت، سبزیاں اور دالیں۔

اس کا متبادل سب سے آسان ہے اور وہ ہے ہر کھانے میں نیم گرم پانی سے دھلی کچی یا ابلی سبزیوں کا سلاد استعمال کیا جائے۔ ویسے ہماری خواتین کو کھانا بنانا بھی نہیں آتا۔

اور پانچواں غذائی گروپ چائے، کافی اور سویٹ ڈش کا ہے جسے کسی بھی کھانے کا حصہ ہر گز نہیں ہونا چاہئے۔ ان کا استعمال کھانے کے وقفوں میں ہونا چاہئے یعنی ہر کھانے کے کم از کم ڈیڑھ گھنٹے بعد۔ پھل وغیرہ بھی کو بھی ایسے ہی استعمال کیا جانا چاہئے۔

حرف آخر فاقے، روزے یا خالی پیٹ رہنے سے متعلق ہے جس میں صرف ایک محاورہ ہی یاد رکھ لیں کہ "انسان اپنی قبر منہ سے کھودتا ہے" یعنی زیادہ کھائے گا تو جلد مرے گا اور وہ بھی بیمار رہ کر۔

"انتخابی سیاست کا کیڑا"

کالم میٹھا سچ 542 از ڈاکٹر سلطان محمود

9 اکتوبر 2022ء

ہمارے خاندان کے دماغ میں بھی کہیں نہ کہیں انتخابی سیاست کا کیڑا کلبلاتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل تصویر میرے پھوپھا سسر ملک عزیز الرحمان کی 1970ء کے عام انتخابات میں کھڑے ہونے کی ہے جو ریکارڈ چار ووٹ لے کر ناکام ہونے کی وجہ سے ضمانت بھی ضبط کروا بیٹھے۔ اسی طرح ایک دوسرے بزرگ ماموں عبد الرشید بھی اس سے قبل 1958ء میں ایوب کی بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں مقابلے میں کھڑے ہوئے اور غلام مصطفیٰ سے ایسے ہی انجام سے دوچار ہوئے۔ البتہ ایک خوش قسمت بزرگ یہی انتخاب جیتے بھی اور وہ تھے میرے دادا سسر مولوی احمد دین مرحوم۔ مجھے بچپن میں ان کی انتخابی جلسوں کا ڈھول کی تھاپ پر یہ دوہا ابھی بھی یاد ہے "احمد دین بجائے بین گھڑی ہی دیکھو ساڑھے تین"۔ اس وقت میرے دادا سسر اپنے دیگر دوستوں کے ساتھ جیتے تھے۔ ان کے دیگر بی ڈی ممبرز دو دوستوں میں پیپلز کالونی ہی کے جنگل سنگھ اور صدیق سالار تھے۔ جنگل سنگھ لائل پور (فیصل آباد) کی سیاست کے جغادری مگر بہترین سماجی شخصیت تھے جن کے تانگے میں یہ تینوں دوست عصر سے مغرب کے درمیان کالونی کی سیر بھی کیا کرتے تھے اور لوگوں کے حالات سے باخبر بھی رہتے تھے۔ جنگل سنگھ میرے دادا سسر ہی کی کوششوں سے

رحمانیہ مسجد بی بلاک کے خطیب اور صابریہ سراجیہ ہائی سکول گول بازار میں دینیات کے استاد مولانا شمس الرحمان کے ہاتھوں مسلمان ہو کر غلام مصطفیٰ یا شاید حفیظ الرحمان بنے تھے۔ صدیق سالار مرحوم میری مادر علمی زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور ہاکی کے اولمپیئن ڈاکٹر غلام رسول چوہدری نیز آئی جی پولیس پنجاب چوہدری امین مرحوم کے بھائی اور اولمپئین اختر رسول کے والد تھے۔

اگر تھوڑا اور پیچھے چلیں تو تحریک آزادی میں میرے نانا جان مرحوم عبدالمجید نظامی خاکسار تحریک کے لاہور میں روح رواں تھے اور بیرون دہلی دروازے لاہور میں رہائش کے باعث بھارت سے لٹے پٹے آنے والے مسلمان خاندانوں کو اپنے ڈنڈا بردار ساتھیوں کے ساتھ بحفاظت ریلوے سٹیشن سے اقبال پارک کے مہاجر کیمپ تک پہنچایا کرتے تھے اور کیمپ کے گرد و نواح میں حفاظت پر بھی مامور ہوتے تھے۔ ان ہی کے بھائی امی کے چچا عبداللطیف مسافر نے بھی لاہور میں علامہ غلام احمد پرویز کی سیاسی و مذہبی تنظیم "طلوع اسلام" میں شمولیت اختیار کئے رکھی بلکہ 1980ء میں سید قاسم محمود مرحوم کے ساتھ مل کر ایک نئی سیاسی جماعت "تحریک تکمیل پاکستان" کی بھی بنیاد رکھی۔

ہمارے ہی ایک پڑوسی اور قریبی رشتہ دار اکرام محی الدین مرحوم نے نوابزادہ نصر اللہ خان کی "جمہوری پارٹی" کے بنگالی گروپ کو نور الامین مرحوم کی قیادت میں جوائن کیا اور لائلپور کے کنوینر مقرر ہوئے۔ بعد ازاں ایئر مارشل اصغر خان کی تحریک استقلال کے بھی ضلعی صدر رہے۔ میرے تایا سسر ملک اقبال مرحوم بھی آٹھ برس جماعت اسلامی ضلع گجرات کے امیر اور ازاں

بعد سات برس تنظیم اسلامی ضلع لائلپور کے قیم رہے نیز ان کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ اور تو اور انتہائی شریف النفس میرے والد گرامی ملک شوکت علی بھی پیپلز پارٹی کے حمایتی اور مقبول پرنٹنگ پریس کی مزدور یونین کے صدر رہے۔ ہمارے خاندان کے گجرات شہر کے باشندوں نے 1930ء میں "بنک خواجگان" بنایا تھا غالباً پہلا مسلم بنک۔ نیز سرگودھا کا ساہنی خاندان، کراچی کی خواجہ برادری اور راولپنڈی میں بسنے والا شیخ طبقہ بھی سیاست میں ہمیشہ مثبت کردار ادا کرتا رہا۔

ہاں یاد آیا میں نے بھی 1979ء میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے فیکلٹی یونین انتخابات میں نائب صدر کا عہدہ آزاد حیثیت سے ریکارڈ ووٹوں سے جیتا تھا اور اگلے برس 1980ء میں سٹوڈنٹس یونینز پر بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کے انتظامات کے سلسلے میں ضیاء الحق نے ملک بھر میں پابندی لگا دی لہٰذا مجھے بلا مقابلہ صدر یونین سلیکٹ کر کے یونیورسٹی کی اندرونی سیاست کو جاری رکھنے کا کہا گیا۔ اس زمانے میں کئی روزناموں نے میری جیت کو کوریج دی بلکہ ہماری برادری کی تنظیم "انجمن خواجگان" نے اپنے سالانہ شمارے میں بھی اس خبر کو نمایاں جگہ دی اور مجھے صدر انجمن خواجہ صدیق مرحوم نے انعام سے نوازا۔ انہی دنوں میں زرعی یونیورسٹی میں طلباء کے تصادم میں دو ہلاکتوں پر بھی مجھے پکڑ دھکڑ کا سامنا کرنا پڑا نیز اللہ نے ایک بڑے تصادم میں کان کے قریب سے گزرتی ایک گولی سے بچا کر آج یہ کالم لکھنے تک زندہ رکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ 1977ء میں میں نے اسلامی جمعیت طلباء کے پلیٹ فارم سے پاکستان قومی اتحاد کو جوائن کیا اور بھٹو مخالف تحریک میں چار روز کی حوالات بھی کاٹی اور کوڑے کھائے۔ میرے اندر یہ سیاست اب بھی زندہ سلامت ہے اور اس وقت بھی دس بارہ ایسوسی ایشنز اور سوسائٹیوں نے مجھے مختلف عہدے دے رکھے ہیں۔

تازہ ترین حادثہ (انوائرمنٹ کنسلٹنٹس ایسوسی ایشن پاکستان) ECAP کی صدارت کے جوڑ توڑ کا ہے جس کا انجام 26 نومبر والی تیسری ٹرم کے انتخاب میں ہو گا۔

"محض اتنی سی سیاست"

کالم میٹھا سچ 543 از ڈاکٹر سلطان محمود

15 اکتوبر 2022ء

پیپلز پارٹی اپنے آپ کو جمہوریت کی چیمپئین گردانتی ہے ذرا اس کے بارے میں پاکستان کے ماہر قانون جناب فیروز شاہ گیلانی صاحب کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

"پاکستان کی سیاسی تاریخ گواہ ہے کہ پیپلز پارٹی کو مقتدرہ نے بننے اور پنپنے میں پوری مدد دی لیکن اس کے قد آور رہنماؤں کے خوف سے بھٹو، بینظیر اور شاہنواز کو جبراً قتل کروادیا بلکہ اس خاندان کو پھر ہمیشہ کی نکیل ڈالنے کے لئے زرداری کو استعمال کیا گیا جس نے بعد ازاں نا صرف مرتضیٰ کو قتل کروایا بلکہ پیپلز پارٹی کی وراثت پر بھی قبضہ کر کے اس خاندان کا مرونڈا بنا کر رکھ دیا۔ لہٰذا مقتدرہ ملک بھر سے اس پارٹی کو مکمل تباہی سے بچا کر صرف ایک صوبے تک محدود کرنے میں کامیاب رہی۔"

اس کے برعکس نون لیگ بھی مقتدرہ کی ہی پیداوار تھی مگر اسے ایک انتہائی لالچی خاندان کے حوالے کر کے رک رک کر چلنے پر مجبور رکھا گیا جو آج بھی کسی قتل و غارت کے بغیر ملک کو ذاتی منافع بخش فیکٹری کے طور پر چلا کر پھولتی چلی جا رہی ہے۔

پھر اگلے سیاسی انڈے تحریک انصاف کو حال ہی میں سینچ کر تربیتی مراحل سے گزارہ جارہا ہے اور کوشش کی جارہی ہے کہ اسے عمران کے بغیر متذکرہ دونوں سیاسی انڈوں کے مقابل کھڑا کیا جاسکے لیکن اس ککڑ بازی کا نتیجہ 2028ء تک نکلے گا۔

قاف لیگ، ایم کیو ایم، جماعت اسلامی، جمعیت اسلام، باپ، لبیک ، اے این پی وغیرہ سیاسی دستر خوان پر سجے مین کورس کے ساتھ ذائقہ بہتر بنانے والی سائیڈ ڈشوں کے طور پر موجود رہتی ہیں تاکہ بوقت ضرورت تینوں بڑے انڈوں کا دف بھی مارا جاسکے یا اگر کبھی آملیٹ بنانا پڑ جائے تو مصالحے ہاتھ میں موجود رہیں۔

"رمیش لال سے غلام رسول تک"

کالم میٹھا سچ 544 از ڈاکٹر سلطان محمود

یکم نومبر 2022ء

ہمارے پاکستان میں شادی کا سارا ماحول ہی ہندوانہ ہے وہ دلہن کو گیتا کے سائے میں رخصت کرتے ہیں اور ہم قرآن کے نیچے۔ سارا کھیل ہی رمیش لال سے محض غلام رسول بننے تک کا ہے۔ ہم نے نئے ملک میں مقامی تہذیب کا نام ہی تہذیب اسلامی رکھ دیا ہے جو در حقیقت تہذیب اسلامی نہیں بلکہ تہذیب عربی ہے لہٰذا بات ختم۔ بلوچوں پختونوں کے رسم و رواج پنجاب، سندھ و کشمیر سے ذرا مختلف ہیں مگر ان پر بھی چھاپ قبائلی ہے اسلامی نہیں۔ کسی کے الفاظ یہاں دہرانا چاہوں گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا دین تو برصغیر میں داخل ہی نہیں ہوا بلکہ یہاں اسلامی پیغام لانے والے صوفی دیندار بھی مقامی تہذیب کے بوجھل ملغوبے میں کہیں گم ہو گئے ہیں۔ ملک میں اب آگے مستقبل میں مذہب کے پنپنے کے امکانات خاصے کم کم ہیں کیونکہ دنیا بھر میں سبھی مذاہب معدومی کی جانب تیزی سے گامزن ہیں۔ کسی نے اگلے دن مجھ سے ایک ایسا سوال پوچھا اور میں ابھی تک سوچوں میں گم ہوں۔ پوچھنے لگے کہ حضرت آدم تو قریباً سوا چھ ہزار برس قبل بطور پہلے انسان کے آئے بلکہ اسلام بھی لے کر آئے تھے اور ہمارے بقول سبھی مذاہب بعد میں آئے تو بتلایئے کہ سائنسی تحقیق کے مطابق اس سے قبل کی چھ لاکھ سالہ انسانی تاریخ میں کون سے مذاہب

رائج تھے؟ اگر کسی نے یہاں تک پڑھنے کی ہمت کر لی تو اس سے بھی کسی مناسب جواب کا متمنی رہوں گا ورنہ انجوائے کریں۔ کوئی حال مست، کوئی مال مست تے کوئی۔۔۔۔؟؟؟ زیادہ منہ نہ ہی کھلوائیں تو اچھا ہو گا۔

ایک قاریہ تبصرہ فرماتی ہیں کہ "آپ نے سچ فرمایا کہ دنیا میں مذاہبِ معدومی کی طرف جا رہے ہیں۔ ہم نے جو تعلیمی نظام کی بربادی کی ہے اس سے ہمارے یہاں بھی یہی نتائج نکلنے تھے، رہی سہی کسر مدرسوں میں بچوں کیساتھ ریپ نے پوری کر دی مولوی کا امیج بری طرح ٹوٹ گیا ہے۔"

ایسے ہی ایک اور قاری نے اعتراض اٹھایا ہے کہ "آپ نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سوا چھ ھزار سال پہلے تشریف لائے۔ پھر آپ لکھ رھے ھیں چھ لاکھ سالہ انسانی تاریخ۔ میرے ناقص علم کے حساب سے انسانی تاریخ تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنے کی بعد شروع ھوتی ھے؟"

اٹھائیس مخلوقات پر تو میں نے الگ کالم لکھ دیا ہے لیکن دوسرے صاحب سے عرض کی ہے کہ محترم یہی تو الجھاؤ ہے جس کے باعث ابھی تک میں تحقیق میں پھنسا ہوا ہوں کیونکہ میں نہ تو قرآن کریم پر سے اپنا ایمان کم کر سکتا ہوں اور نہ ہی کسی صورت میں سائنس کو جھٹلا سکتا ہوں۔ یا تو قرآن کریم میں آدم کی بحیثیت اولین مکمل انسان کی شکل میں جنت سے اتارے جانے والی بات کی علماء درست وضاحت نہیں کر سکے اور یا پھر سائنس کی رو سے چھ لاکھ سالہ انسانی تاریخ میں ابہام ہے۔ اگر ارتقاء کے نظریے کو درمیان میں لے آئیں تو مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس

کے لئے ابھی دونوں علوم یعنی قرآن اور سائنس کے ماہرین یکجا نہیں ہو پائے لہٰذا دونوں اپنی اپنی تشریح کے باعث الجھن کو جنم دیئے بیٹھے ہیں۔

ان دو صاحبان کے علاوہ بھی "دی رائٹرز کلب" کے ستر کے لگ بھگ قارئین نے اپنی رائے سے نوازا ہے جن کے لئے میں ان کا مشکور ہوں لیکن طوالت کے باعث یہاں جواب نہیں دے سکتا۔

"چین امریکہ کی سرد جنگ"

کالم میٹھا سچ 545۔ از ڈاکٹر سلطان محمود

3 نومبر 2022ء

ہم چین اور امریکہ کی سرد جنگ کا شکار ہو چکے ہیں ویسے ہی جیسے قیام پاکستان کے وقت امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان سرد جنگ نے ہمیں کبھی بھی ترقی نہیں کرنے دی۔ امریکہ اگر پاکستان سے نکل گیا تو عملاً ایشیا سے فارغ ہو جائے گا جس کے لئے اس کی یہاں موجودگی تزویراتی طور پر اس کے لئے زندگی اور موت جتنی اہم ہے اور اسی مقصد کے لئے امریکہ نے افغانستان سے نکلنے کو ترجیح دے کر پاکستان کو ٹھکانہ بنا لیا ہے اور اپنے آسان حاشیہ برداروں کو دوبارہ پاکستان میں برسر اقتدار لے کر آیا ہے۔ چین اور روس بھی پس پردہ یہاں سے امریکہ کو بھگانے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں۔ اس لئے گمان روز روشن کی طرح غالب ہے کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں کس کی گھاس اجڑنے والی ہے؟ گو کہ امریکہ نے روس کو یوکرائن میں پھنسا لیا ہے لیکن روس اور چین امریکہ کو پاکستان میں پھنسا کر شکست دینا چاہتے ہیں۔

ہماری تحریر پر کسی گوشے سے یہ تبصرہ آیا ہے کہ "آپ کے خیال میں ہمارے نظام کو پہلی بار اگر عمران خان نے ننگا کر دیا ہے تو پھر کیا خان ہی غلط ہو گیا؟ شکر کریں عوام کا بزدل ٹولہ قیام پاکستان کے وقت نہیں تھا ورنہ انہوں نے قائد اعظم کو بھی گالیاں دینی تھیں".

ہم نے دکھی دل کے ساتھ عرض کی ہے کہ یہ ٹولہ تب بھی موجود تھا۔ تحریک پاکستان کے دنوں میں جماعت اسلامی، خاکسار تحریک اور دیگر مذہبی فورمز سے باقاعدہ قائد اعظم کو بھی معاف نہیں کیا گیا تھا۔ انہیں اور فاطمہ جناح کو نا صرف عام جلسوں میں گالیاں دی جاتی تھیں بلکہ مولانا مودودی انہیں کافر اعظم لکھا کرتے تھے اور علامہ مشرقی کے ایک کارکن نے باقاعدہ قائد علیہ رحمت پر قاتلانہ حملہ بھی کر دیا تھا قائد اعظم کو صرف انگریز نے گالی نہیں دی لیکن ان کی مخالفت ہندو جنتا اور مسلم ملاؤں نے ڈٹ کر کی۔ بلکہ 1965ء کے ایوبی الیکشن میں خرم دستگیر کے ملعون والد غلام دستگیر نے گوجرانولہ میں کتیا کے گلے میں محترمہ فاطمہ جناح کے نام کی تختی لٹکا کر بازاروں میں گھمائی۔ یقین مانیں ہم ایک قابل نفرت اور احسان فراموش قوم ہیں اور چونکہ برصغیر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلّم والا اسلام تو داخل ہی نہ ہوا تھا مگر پھر بھی جو صوفی ازم یہاں آیا اس کو آج کے ہندو پاکستان میں نوے فیصد ہندو شودروں ہی نے قبول کیا جو محض نام بدلنے کی حد تک تھا۔ یعنی انہوں نے بھی معاشرے میں برابری حاصل کر کے اپ گریڈ ہونے کے لالچ میں ایسا کیا لیکن اپنے آپ کو حقیقی اسلام کے سانچے میں کبھی بھی نہیں ڈھالا۔ بدقسمتی سے جس مسلمان کو قائد اعظم نہ جگا سکے، بھٹو عالمی تناظر میں جن کو اکٹھا کر کے بھی عدالتی قتل کا شکار ہوا اسے سطحی سے علم دین کے ساتھ عمران بھی جگاتے جگاتے قبر میں اتر جائے گا اور ہماری حالت پھر بھی وہی رہے گی جیسے پچاس ساٹھ

کی دھائی میں گرامو فون کے ایک اشتہار میں سے نکلنے والی آواز کو مالک کی آواز سمجھ کر ایک کتا سنتا دکھایا جاتا تھا اور ذہن میں رکھیں کہ ہمارا مالک آج بھی گورا ہے یعنی انگریز اور اسی کی باقیات امریکی حکمران۔

"مخلوقات کی گروہ بندی"

کالم میٹھا سچ 546 از ڈاکٹر سلطان محمود

یکم نومبر 2022ء

ایک قاریہ نے ہمیں اپنی ایک تحریر بھیج کر ہمارا نکتہ نظر جاننا چاہا ہے کہ انسان سے پہلے 28 مخلوقات موجود تھیں جن میں سے ایک مخلوق کا جو حلیہ بتایا گیا ہے وہ ہندوؤں کے بھگوانوں سے ملتا ہے"

ہم نے ادب سے عرض کیا ہے کہ محترمہ انسان سے پہلے دنیا میں 28 مخلوقات کے آباد ہونے والی بات انتہائی غیر مصدقہ ہے کیونکہ سائنس کی رو سے قدرت یعنی اللہ نے کرہ ارض میں کل ستاسی لاکھ اقسام کی مخلوقات (species) پیدا کی ہیں جن میں سے انسان محض ایک ہے اور اس کا شمار شیر، کتے اور گائے جیسے گروہ سے ہے۔ علم الحیات یا بیالوجی نے ان ساری مخلوقات کی گروہ بندی (classification) چھ گروپس بنا کر کی ہے یعنی حیوانات (انسان سمیت)، نباتات، سمندری حیات، کیڑے مکوڑے، پرند چرند اور ایمفیبیئنز (amphibians) یعنی خشکی اور تری میں مشترکہ طور پر رہنے والی زندگی۔ اس گروہ بندی میں ابھی جراثیم یعنی بیکٹیریا، وائرس و پھپھوندی وغیرہ کو الگ گروہ کی شکل نہیں دی جا سکی۔ ہر گروہ (گروپ) عمومی و خصوصی صفات

کے لحاظ سے غالباً آٹھ آٹھ مزید درجہ بندیوں (taxonomy) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی ڈومین، ریاست، فائیلم، جماعت، ترتیب، خاندان، جینیات اور آخر میں سپیشز (مثلاً انسان، جنگلی جانور، پالتو جانور) وغیرہ۔

میں نے مزید عرض کی ہے کہ سوشل میڈیا حقیقی اور بے پر کی اڑانے والے علوم کا ملغوبہ ہے اس لئے ہر پوسٹ کو شئیر نہیں کر دینا چاہئیے۔ مثلاً میں اپنی وضاحت میں سینکڑوں مصدقہ سائنسی کتب کا حوالہ دے سکتا ہوں لیکن آپ کی 28 مخلوقات کی تصدیق کسی بھی مصدقہ حوالے سے نہیں کی جا سکتی۔

""ڈنگ ٹپاؤ حکومت"

کالم میٹھا سچ 547 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 نومبر 2022ء"

عمران خان اس وقت اپنی شہرت کی انتہائی بلندی پر ہے لیکن 26 کلو میٹر کی مرکزی حکومت اور اس کی بھاری ترین کابینہ اور سندھ حکومت امریکہ چین کی سرد جنگ کے مہرے ہیں جو کسی صورت حکومت چھوڑنے پر تیار نہیں اور دوسری جانب عمران اگر اسوقت احتجاج ختم کر دے تو اس کی مقبولیت کا گراف نیچے جا گرے گا۔

یہ صورتحال پاکستان کی سلامتی کے لئے بے حد خطرے کا پیش خیمہ ہے کیونکہ بھارت ایک عیار اور خطرناک دشمن کی مانند گلگت بلتستان پر قبضے کی سوچ لئے موقعے کی تلاش میں بیٹھا ہے جس کی اس وقت چین بھی مخالفت نہیں کرے گا کیونکہ سی پیک پر بند پروگرام پر چین پاکستان سے مایوس ہو کر اب یہی کام بھارت سے قبضہ کرا کے اور اس سے معاہدہ کر کے کر جائے گا۔ لہٰذا اس وقت بلوچستان اور کشمیر انتہائی خطرے میں ہیں۔

ورنہ اس وقت ملکی مسائل کا آسان حل تو یہی ہے کہ ملک میں فوری طور پر غیر جانبدار کیئر ٹیکر حکومت قائم کر کے مارچ اپریل تک شفاف انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا جائے۔ اگر آج شفاف

الیکشن ہو جائے تو عمران دو تہائی سے زائد اکثریت سے پارلیمان میں آ جائے گا جو امریکہ اور ہمارے جنرلز کے لئے قابل قبول نہیں۔ لہٰذا مجھے لگتا ہے کہ حکومت میں تو عمران ہی کو آنے دیا جائے گا لیکن محض آدھی یا بمشکل 55 فیصد اکثریت دے کر۔

میرے جاننے والے گواہ ہیں کہ میری بینظیر کو قتل کر دیئے جانے کی پیشین گوئی سے محض ایک ہفتہ بعد ہی اسے قتل کر بھی دیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے اب عمران کے حالات بھی اسی جانب جا رہے ہیں۔

وجدان

گویا چین پاکستان کی نسبت بھارت پر بھروسہ کرتا ہے، جبکہ امریکہ اور بھارت بہت قریب ہیں۔ بات ہضم نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر سلطان:

ہضم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اجزاء ملا کر پھکی کھائیں:

1 چین کی 23 ارب ڈالر کی بھارت میں سرمایہ کاری

2 پاکستان میں امریکی پریشر پر فوج کا سی پیک میں تعاون سے انکار اور چین کی ناراضگی

3 امریکی پٹھو چور حکومت کی پاکستان میں واپسی

4 امریکہ کا افغانستان سے نکل کر پاکستان میں بیٹھنا

5 امریکہ کی چین و روس سے سرد جنگ کی گہرائی

6 بھارت اور بنگلہ دیش میں حقیقی جمہوریت کی وجہ سے منطقی ترقی، اور

7 چین کی بڑھتی طاقت کے پڑوس ممالک پر تزویراتی اثرات۔

"بڑھتی آبادی کی عفریت غذائی عدم تحفظ کی وجہ ہے"

کالم میٹھا سچ 548 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 نومبر 2022ء

"ہم فضول خرچ قوم ہیں۔"

کالم میٹھا سچ 549 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 نومبر 2022ء

ہمارے پاس سیون اپ، ہاجمولا، ڈسپرین اور چائے موجود ہے تو اتنے مہنگے میڈیکل کالجوں کو بنانے اور نک چڑھے ڈاکٹروں پر خرچہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نائی دانت نکال سکتا ہے، ختنے کر سکتا ہے، دیگیں پکا سکتا ہے، پیغام رسانی کر سکتا ہے تو خوامخواہ کے ڈینٹل ہسپتال، سرجیکل یونٹ، ریسٹورنٹس اور ڈاک تار کے سسٹم کھڑے کرنے کی کیا حاجت ہے؟ کمپاونڈر اور میڈیکل سٹور والا دوائی دے سکتا ہے تو مفت میں ڈاکٹر کی فیس بھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہومیو پیتھک، طبیب، حجامے، آکوپنکچر، غذائی ماہر، رنگ پانی موسیقی اور دم سے علاج، جادو ٹونہ، جنوں کے کرشمے اور روحانی طاقت رکھنے والوں نے بھی اگر ایلوپیتھک ریسرچ گوگل سے پڑھ کر ہی علاج کرنا ہے تو بلا وجہ اربوں روپے کا ہیلتھ سیکٹر آباد کرنا ایک احمقانہ کام نہیں ہے کیا؟ پھر ملک عزیز میں موجود ساڑھے چار سو فارما کمپنیاں بھلا کس مرض کا علاج کہ اگر ڈاکٹر نے ضمیر کے مطابق ہی علاج کرنا ہے تو؟ اگر ڈاکٹر غلطی سے ڈگری لے ہی آئے تو پھر بیچاروں کو سی ایس ایس کرنے دیں اور نیویارک و کوپن ہیگن میں ٹیکسی چلانے دیں۔

اب دیکھیں ناں ہمارے گھروں میں وڈے اباجی فراوانی سے میسر ہوتے ہیں اور اتفاق سے ہوتے بھی ہیں بہت تجربہ کار مگر فارغ۔ وہ راج مستری، پلمبر، الیکٹریشن اور چوہڑے تک کو اکیلے سنبھال

سکتے ہیں تو کیا آفت آن پڑی ہے کہ لالچی انجینئر پڑھاتے جائیں۔ یہ سب جائیں بھاڑ میں اور کیوں یہ معصوم شکلوں والے خوامخواہ کی مہنگی ڈگریاں گلے میں لٹکائے بیروزگاری کے طعنے سمیٹتے پھر رہے ہیں۔ اور اور پھر نیا ظلم دیکھیں آدھے گلف میں عربیوں سے گالیاں کھانے خوشی خوشی پھر چلے بھی جاتے ہیں شامت مارے۔ اب یہ ہماری کتنی بد بختی ہے کی فضول میں انجنیئرنگ کالج اور یونیورسٹیاں بنابنا کے پیسہ ضائع کرتے پھریں۔

آن لائن تعلیم، ٹیوشن پڑھانے والے، رنگ برنگے سکول سسٹمز، اکیڈمیاں، مدرسے، قاری صاحب، وڈے ماشٹر جی، ان پڑھ ماں کی گود، دادے نانے کی کہانیاں، فلمی میڈیا، سوشل میڈیا اور ٹی وی ڈرامے کی موجودگی میں نظام تعلیم پر خرچہ کرنا بھی بیکار کی مشق نہیں ہے کیا؟ جب انگلش میڈیم کی استانی بچوں سے کہتی پائی جائے کہ "ادھی چھٹی میں منہ دھو لینا" یا سکول کا پرنسپل بچوں سے فیس کی بجائے فیسز (پاخانے) مانگنا شروع کر دے تو پھر بہتر ہے کہ تعلیم کے شعبے میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے آپس میں ہی کاروکاری کر لی جائے۔

ہمارا غالباً سب سے مہنگا ادارہ پارلیمان ہے جہاں ملک کے حکمران بیٹھنا پسند بھی نہیں کرتے اور حاضر صرف وہ ہوتے ہیں جنہوں نے تقریر کرنا ہوتی ہے یا تنخواہ اور ٹی اے ڈی لینا ہوتا ہے۔ اس ادارے سے ملک کو فائدہ تو کوئی نہیں الٹا ہمارا بیشمار پیسہ لٹ جاتا ہے۔ یہی کام ہمارے نائی کی دوکان پر بیٹھ کر اگر حسب توفیق کیا جا سکے تو کیا ضرورت ہے کہ بیشمار پیسہ لگا کر بھی ایک سپاہی بڑے آرام سے وزیر اعظم کو ہتھکڑی لگانے کی صلاحیت رکھتا پھرے تو پھر ہم کیوں فضول خرچی پر تلے بیٹھے رہتے ہیں؟

اگر ملزم وکیل اور جج سمیت پوری عدالت ہی کو خریدنے کی صلاحیت سے مالا مال ہو تو ملک کا ایک چوتھائی بجٹ عدلیہ پر لگانا کہاں کی عقلمندی ہو گی؟ خصوصاً جب جج روزانہ محض دو گھنٹے ڈیوٹی دے کر لمبی چھٹیوں پر چلا جائے تو کیا بہتر نہیں کہ بغیر کسی کشٹ کے وکالت کی ڈگریاں فروخت کر کے وکیلوں ہی سے فیصلے بھی کرا لئے جایا کریں۔ کیونکہ لاکھوں وکیل بیچارے عدالتوں میں آوازے لگانے کی تہمت سے آزاد ہو کر پولیس سے مل کر اپنے اصل "کاروبار" پر توجہ دے سکیں گے۔ ویسے بھی جج نے اگر قائد اعظم کی تصویر ہی کو سلام کرنا ہے تو کیوں بیچارہ میڈیا میں حفت اٹھانے سے بچنے کے لئے سوو موٹو ایجاد کرتا پھرے۔

سب سے مزے کا کام تو جنت کی کنجیاں بانٹنے والے ان پڑھ مدرسہ زدگان کا ہے ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان کی موجودگی اک نعمت سے کم نہیں۔ ہر جمعرات کو پورے ہفتے کے گناہوں کی اللہ سے معافی دلوا دینا کوئی آسان کام تھوڑی ہے۔ پھر عمرے اور حج پر دوبارہ جنم دلوا کر معصوم بنا دینا کہاں ہے ہمارے بس میں؟ یہی رنگ برنگے کپڑوں والے تانگ نمبر پر گز نہیں بلکہ بے حد کارآمد ہیں کیو کہ انہوں ہی نے تو ہمارے نجی و خانگی زندگی میں احکامات اللہ و رسول کی خلاف ورزی کے باوجود اللہ سے قبول کروا کے اور این او سی لے کر دینا ہوتا ہے۔

یقیناً ہم کتنی فضول خرچ قوم ہیں۔

"بعد مرنے کے مرے گھر سے"

کالم میٹھا سچ 550 از ڈاکٹر سلطان محمود

9 نومبر 2022ء

ابھی کل ہی میں نے اپنے 1967ء کے ڈبل ڈگری ہولڈر بزرگ کو جب ہارورڈ یونیورسٹی کی یہ بات سنائی کہ "ہماری ڈگری بھی حصول کے پانچ برس بعد ردی کا ٹکڑا بن جاتی ہے" تو وہ ناراض ہو گئے کہ گویا کہ میں اپنے وقت کا بے حد پڑھا لکھا اب آپ کی نظروں میں دوبارہ ان پڑھ ہو گیا ہوں؟ ہارورڈ کی تحقیق کا مقصد دراصل اپنی ڈگری یافتہ تعلیم پر عملدرآمد کے بارے میں تھا جسے ہم لوگ ذریعہ آمدن بنا کر ایک روز چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

اسی کلپ میں اینکر نے سوال کیا ہے کہ آپ نے اپنی ڈگری آخری بار کب دیکھی تھی؟ جس سے مجھے یاد آیا کہ میں نے اس سلسلے میں کیا انتظام کر رکھا ہے۔ میں نے اپنی 1981 کی اینیمل سائنسز کی گریجویشن، 1985 کی ہیومن نیوٹریشن کی ماسٹرز، 1992 کی فوڈ سکیورٹی میں حاصل شدہ یورپی ڈاکٹریٹ اور 2006 کی انوائرمنٹ سائنسز میں دوسری ماسٹرز کی ڈگریوں کے علاوہ چار عدد غیر ملکی پوسٹ ڈاکٹریٹ سرٹیفیکیشنز کے ساتھ دو طرح کے سلوک کئے ہیں۔ اول ان کے بل پر 2018ء تک نوکریاں کرتا رہا اور ان چاکریوں کے ساتھ ساتھ مختلف اداروں کا پارٹ ٹائم مشیر بھی بنا رہا تا کہ جو کچھ پڑھا تھا وہ تازہ ہوتا رہے اور پھر اس کے بعد فل ٹائم کنسلٹنسی سروسز مہیا کرنے میں لگ گیا، اور دوم، سبھی دستاویزات کو فریم کرا کے دیوار پر سجا لیا تا کہ ہر وقت ان سے حیا آتی رہے۔

میری وال آف آنر ان 85 ٹریننگ اور ریفریشر کورسز کی اسناد سے بھی آراستہ ہے جو ان بیالیس سالوں میں اچھے اداروں سے حاصل کیں۔

لیکن اس اتوار کو میں نے ایک نیا ٹرینڈ بنالیا ہے کہ اس روز ڈیجیٹل میڈیا کی ٹریننگ لے کر بغیر نام کے سرٹیفیکیٹ لے لیا اور اپنے اس بھانجے کے حوالے کر دیا جو اس سیکٹر میں محض 25 برس کی عمر میں ہی عملاً لاکھوں کما رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پچھلی ڈگریوں، سرٹیفیکیٹس، تمغہ جات، شیلڈز، سووینئیرز اور مگ و پلیٹس والی شوخیوں سے بھری چار الماریاں ہی قابو میں نہیں آ رہیں تو مزید کہاں سنبھالوں؟

ابھی کیریئر کے اگلے مرحلے کے لئے انشاء اللہ مجھے یورپ نکلنا ہے تو یہی الجھن کھائے جا رہی ہے کہ سرمایہ حیات کیسے اپنے ہاتھوں سے تلف کروں کیونکہ میں اپنے ایک سابقہ پروفیسر کا حال دیکھ چکا ہوں کہ جن کے مرنے کے بعد بیوہ بچوں نے اسی طرح کا ان سرمایہ حیات بمعہ شناختی کارڈ، پاسپورٹ، تصاویر حتیٰ کہ نکاح نامے سمیت بوریوں میں بند کر کے میرے ذمے لگا دیا کہ کہیں ٹھکانے لگا دیں۔

گو کہ میں آج تک لگ بھگ چھ ہزار کتب پہلے ہی مختلف لائبریریوں کو دے چکا ہوں لیکن ابھی تک یہ بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ ان سینکڑوں تصاویر، تعریفی خطوط، آٹوگراف بکس اور یادگار اشیاء کا کیا کروں جو ان یادگار ٹکٹوں اور سکوں کے علاوہ ہیں جنہیں میں کم از کم بیچ تو سکتا ہوں۔

اس لحاظ سے میں تبلیغی بھائیوں کو بڑی حسرت سے دیکھتا ہوں جن کے پاس زادراہ کے لئے لوٹے، مصلے اور سادگی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا جبکہ ہم لوگ ساری زندگی وہ چیزیں جمع کرنے میں بسر کر دیتے ہیں جن پر بعد مرنے کے کوئی تھوکتا بھی نہیں۔

ایک سال قبل میرا تبصرہ یہ تھا

یہ ایک اچھا اور اچھوتا اظہاریہ تو ہے لیکن اگر اس گفتگو کے بعد اپنا اشتہار نہ چلایا جاتا اور وہ بھی ہومیوپیتھک کا، تو کتنا اچھا ہوتا

اب آتے ہیں اس پیغام کی جانب جو اس کلپ میں دیا گیا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں ہمیشہ سے یہی سمجھتا رہا ہوں کہ اگر میں نے ڈگری لے کر اس کے مطابق کام نہ کیا یا اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لئے تسلسل سے اس کو نہ پھیلایا تو سمجھ لیں وقت اور زندگی برباد کر دی۔ مگر میں نے اپنی ایک نہیں تمام ڈگریوں کو آج کے دم تک ضائع ہونے سے بھلا کیسے بچایا؟ وہ ایسے کہ میں آج بھی کوئی دن جانے نہیں دیتا جب اپنے بنیادی مضامین اور ان سے پھوٹنے والی شاخوں کو پچھلے کل سے زیادہ مضبوط نہیں کر لیتا۔ چاہے اس کے لئے مجھے 17 کتابیں لکھنی پڑیں یا اپنے مضمون کا یوٹیوب چینل بنانا پڑا جس کا نام "دی تھنک ٹینک آن فوڈ سیکیورٹی (The Think Tank on Food Security) ہے۔ یہ ملغوبہ ہے میری تمام تعلیم اور چالیس سالہ تجربے کا۔ گو کہ مجھے اس کے لئے رائج الوقت سوشل میڈیا ہی کا سہارا لینا پڑا۔

لہٰذا میں نے اپنی تمام ڈگریاں سامنے ایسی جگہ رکھ چھوڑی ہیں کہ جہاں میں انہیں روزانہ دیکھ سکوں اور اپنے آپ سے تازہ وعدہ کرتا رہوں کہ میں نے ان کے ذریعے جو علم حاصل کر لیا ہے نا صرف اس کی حفاظت کی فکر کروں بلکہ اپنا محاسبہ کرتا رہوں کہ کہیں میں نے اپنا علم ضائع تو نہیں کیا کسی بھی حالات میں۔

اور یہ بھی بتادوں کہ میں نے پچھلے چالیس برس میں ایسا کیسے کر لیا جبکہ ہارورڈ یونیورسٹی نے تو اب یہ بات بتائی ہے وہ ایسے کہ بچپن میں خوش قسمتی سے میں نے ہارورڈ سے بھی زیادہ اور دین دنیا کے تمام علوم کی ماں پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک ایسی حدیث سن کر آج بھی ذہن سے چپکا رکھی ہے کہ جس میں دنیا کے بہترین ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ "اگر تم نے علم نافع حاصل کیا اور اسے آگے نہیں پھیلایا تو خیانت کی"۔ مجھے صرف اتنا اطمینان ہے کہ میں کم از کم خائن نہیں ہوں۔ جزاک اللہ۔

ڈاکٹر سلطان محمود

"جسے موت نے نہ پوچھا اسے زندگی نے مارا"

کالم میٹھا سچ 551 از ڈاکٹر سلطان محمود

19 نومبر 2022ء

واہ واہ ماضی میں کیا کمال کے نغمات ہوا کرتے تھے۔ شاعری، آواز اور موسیقی اپنی اپنی جگہ لاجواب لیکن آپس میں شیر و شکر ہو کر غضب ڈھایا کرتی تھی۔

ہم نے 80ء کی دھائی تک سینکڑوں کیسٹس اور توے جمع کر کے موسیقی سے لطف اٹھایا جنہیں سنبھال سنبھال کر رکھنے سے بیزار ہو کر حال ہی میں کوڑے کی نذر کر دیا ہے۔ پچھلی صدی کی آخری اور اس صدی کی ابتدائی دھائی نے ہمیں فلاپی اور یو ایس بی سے متعارف کرا کے ہمارے شوق کو وسعت بخشی اور ہم اردو پنجابی کی موسیقیت کے خمار سے نکل کر انگریزی، سپینش، روسی اور عربی موسیقی سے بھی آشنا ہو کر اسی حصار میں جھکڑے رہے۔ لیکن اب موجودہ دوسری اور تیسری دھائی نے ہمیں بے ڈھنگی موسیقیت کے باعث بور کرنا شروع کر دیا ہے اور ہمارا ذوق موسیقی زوال پذیر ہو گیا ہے۔ گو کہ آج بھی نغمات کی تینوں اصناف لاجواب ہیں لیکن بد قسمتی سے آپس میں کبھی کبھار ہی ڈھنگ سے یکجا ہو پاتی ہیں۔ ایسے میں جب ماضی کا میوزک بجتا ہے تو دل ادھر کھینچا چلا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سلطان محمود

"میں کیوں یوٹیوبر بنا؟"

کالم میٹھا سچ 552 از ڈاکٹر سلطان محمود

22 نومبر 2022ء

پاکستان میں مین سٹریم میڈیا اپنا ایمان بیچ کر پیسہ کمانے میں مصروف ہے اس لئے یہ معاشرے کے لئے عفریت بن چکا ہے۔ دوسرے نمبر پر سوشل میڈیا ہے جو زیادہ تر بے شعور عوام کے ہتھے لگ گیا ہے جنہیں سچ جھوٹ سے کچھ غرض نہیں ہوتی۔ اب تیسرے نمبر پر یوٹیوبرز آتے ہیں ان کے بارے میں محض اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ بیچارے ڈالرز کی تلاش میں اس میدان میں اترے ہوتے ہیں لہٰذا زیادہ سے زیادہ جھوٹ پھیلانے میں قطعاً تعامل سے کام نہیں لیتے۔

road less traveled" پر میں نے سفر کرنا پسند کیا ہے اور نالائق پرنٹ میڈیا اور لالچی الیکٹرانک میڈیا سے ہٹ کر، لڑ کر اور نفرت کر کے یوٹیوب کی دنیا میں آیا ہوں۔

چونکہ مشکل پسند آدمی ہوں (اس لئے یوٹیوب کا عنوان بھی مشکل رکھا ہے)، مسلسل محنت پر یقین رکھتا ہوں اور مال و دولت کا پجاری بھی ہر گز نہیں اس لئے سست روی کے باوجود اپنے مشن سے جڑا رہنا ہی پسند کرتا ہوں۔ میں نے چار مشیران سے یوٹیوب چینل بارے خود ہی سب کچھ سیکھ بھی لیا ہے اس لئے اخراجات بچانے کی خاطر ضروری سامان کے ساتھ نئی منزل کی جانب گامزن ہوں۔ میں سستی مقبولیت حاصل کرنے کے لالچ سے بھی مبرا ہوں اور اتنا قناعت پسند ہوں کہ کسی طرح

کی ناجائز کمائی کا لالچ بھی نہیں۔ اس لئے صرف سنجیدہ عوام میں غذائی پیداوار، انسانی صحت اور ملکی ماحولیات کے مرکب یعنی غذائی تحفظ پر شعور اجاگر کرنے کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوں۔ تبھی ایک سال میں خرچ پانچ لاکھ کیا ہے مگر کمائے تین ڈالر بھی نہیں۔ میرے ابھی بارہ سو سبسکرائبر اور چھ ہزار گھنٹے واچ ٹائم بھی نہیں بنا مگر میں منفی مقابلہ کرنے کی بجائے کافی مطمئن ہوں کہ میں پچھلے تیس برس میں اٹھارہ کتب اور سینکڑوں مضامین لکھ کر اور لیکچرز دے کر جو پیغام عوام تک نہ پہنچا سکا وہ پچھلے ایک برس سے چند درجن سنجیدہ لوگوں تک مسلسل پہنچ رہا ہے اور اتنا ہی کافی ہے۔

میں نے ایک سروے میں پڑھا تھا کہ دنیا میں ساڑھے پانچ کروڑ یوٹیوبرز ہیں جو مسلسل بڑھ رہے ہیں نیز پاکستان میں چند درجن چھوڑ کر باقی سب سرقہ یعنی چوری شدہ پوسٹیں لگاتے ہیں۔ ان کا اپنا علم صرف پاکستانی ڈگریوں سے حاصل شدہ علم تک محدود ہے جہاں ایک پرنسپل سطح کا بندہ بھی فیس کو جمع میں فیسز (پاٹی) کہتا ہے بلکہ ایک یوٹیوبر خاتون نے تو غضب ڈھا دیا جب میری پوسٹ میں "منقول" لکھا دیکھ کر اسی منقول صاحب کو مصنف سمجھ بیٹھیں۔ ایک اور یوٹیوبر ساتھی کے ڈبل ایم اے پر بہت رشک آیا جب وہ سموگ (دھوئیں اور دھند) پر پروگرام کرتے ہوئے اسے محض سموک (دھواں) سے ہی جوڑتے رہے۔

چار سالہ آنرز پروگرام پر مشتمل میری گریجوایشن غذائی تحفظ کے چالیس فیصد علوم پر مشتمل شعبہ پرورش حیوانات تھا۔ پھر حیوانی و انسانی غذاوں کے علوم پر مبنی نیز ماحولیاتی سائنس پر دونوں مضامین میں ملک کی مؤقر ترین جامعات سے ماسٹرز ڈگریاں بھی لے چھوڑیں بلکہ ان دونوں کے

ملاپ (فوڈ سکیورٹی) پر یورپ سے ڈاکٹریٹ بھی کر لی تھی اور وہ بھی تیس برس قبل۔ میری تو اس سارے تعلیمی و تجربات پر مشتمل سفر میں کئی دہائیاں بیت گئیں لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے جب کوچوان اور نائی بھی غذاؤں پر مشورے دے رہے ہوتے ہیں اور ٹویٹر (twitter) کو ٹیوٹر کہنے والے سی ایس ایس کے امید وار ماحولیات پر بول رہے ہوتے ہیں۔ بلکہ جب یہی نیم حکیم یوٹیوبرز بھی بن بیٹھیں تو سر پیٹنے کو دل چاہتا ہے لیکن میں عموماً اظہار اس لئے نہیں کرتا کہ پھر سارے نیم حکیم اور نیم ملا اکٹھے ہو کر برا منا جاتے ہیں اور پھر مروجہ منفی ہتھکنڈوں سے مجھے زیر کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنا وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔

کسی کا مختلف کتابوں کا نچوڑ بھی یہاں پیش کرنا چاہوں گا جن میں وہ تیرا (13) عادتیں شامل ہیں جو ذہنی طور پر مضبوط لوگ بالکل نہیں اپناتے:

1. وہ اپنے اوپر ترس کھانے میں وقت ضائع نہیں کرتے۔
2. وہ اپنی طاقت سے دستبردار نہیں ہوتے۔
3. وہ مثبت تبدیلی سے باز نہیں آتے۔
4. وہ قابو سے باہر چیزوں پر توانائی ضائع نہیں کرتے۔
5. وہ سب کو خوش کرنے کی فکر بالکل بھی نہیں کرتے۔
6. وہ احتسابی خطرات مول لینے سے قطعاً نہیں ڈرتے۔

7. وہ کبھی بھی ماضی میں نہیں رہتے۔

8. وہ جان بوجھ کر غلطیاں نہیں کرتے اور نہ دہراتے ہیں۔

9. وہ دوسرے لوگوں کی کامیابی سے ناراض نہیں ہوتے۔

10. وہ پہلی ناکامی کے بعد ہمت نہیں ہارتے۔

11. وہ تنہا وقت گزارنے سے نہیں ڈرتے۔

12. وہ بہتان والزام تراشیوں سے نہیں ڈرتے۔

13. وہ فوری نتائج کی توقع لگا کر انتظار نہیں کرتے

اب آخر میں میں اپنا یوٹیوب چینل کا لنک صرف سنجیدہ لوگوں کی خاطر لکھ رہا ہوں کیونکہ یہ جان کر دکھ ہوا کہ سوشل میڈیا پر اپنے ہزاروں فالوورز رکھنے کے باوجود غالب اکثریت محض ڈنگ ٹپاؤ اور بے مقصد ہی ہے۔

<https://www.youtube.com/c/ThinkTankEcoCare>

"دوستوں کی نذر"

کالم میٹھا سچ 553 از ڈاکٹر سلطان محمود

27 نومبر 2022ء

سبھی دوستوں کی نذر میری نیچے لنک میں دی گئی دو حالیہ کتب حاضر ہیں خصوصاً ان کے لئے جنہوں نے بڑی اپنائیت سے درخواست کی لیکن ان کتب کے آوٹ آف سٹاک ہونے کے باعث میں انکی خدمت میں پیش نہ کر سکا۔ نیز متمنی مطالعہ ایسے احباب جو دیار غیر میں مقیم ہیں اور میں انہیں وہاں اپنی کتب بھجوا نہ سکا۔ میں نے آج تک اپنی کوئی کتاب فروخت کے لئے پیش نہیں کی نیز علم نافع کے فرمان نبوی کی رو سے انہیں عوامی آگاہی کے لئے بانٹنے سے بھی گریز نہیں کیا لیکن اگر کہیں کوتاہی ہو بھی گئی ہے تو دست بستہ معافی کا خواستگار ہوں۔

میری کل اٹھارہ کتب میں سے چھ انگریزی اور باقی اردو میں ہیں اور چار مضامین پر مشتمل ہیں مثلاً سات کتب غذا اور صحت یا کلینیکل نیوٹریشن پر ہیں، چار ماحولیات اور فوڈ سکیورٹی پر، چار طنز و مزاح پر مشتمل میرے کالمز "میٹھا سچ" کا مجموعہ ہیں دو کتب سیاست، مذہب اور سماجیات پر سنجیدہ تحریریں ہیں اور ایک اوائل عمری کی شاعری پر۔ شاعری کی بھول پر معافی چاہوں گا لیکن اسے سوتیلی کتاب سمجھ کر میں بہر حال کتابی محفل سے فارغ نہیں کر سکتا۔ چونکہ دو کتب ہی ابھی پی ڈی ایف میں مجھے

ملی ہیں اس لئے وہ اس کالم کے ساتھ لنک میں موجود ہیں۔ باقی بھی بشرط زندگی لف کر دی جائیں گی۔

یہ ساری تحریریں چالیس سالہ تحقیق و تجربے پر محیط ہیں اور مختلف رسائل، میگزینز و اخبارات میں پچھلے تیس برس سے وقتاً فوقتاً مسلسل چھپتی رہیں جنہیں میں نے اپنے مربی میاں وقارالاسلام کے مشورے سے پھر پچھلے پانچ چھ برس میں جمع کر کے کتابی شکل دی ہے۔ میاں صاحب کے قیمتی اور مفت مشورے اکثر میرے ادبی سفر کو آسان بناتے رہے ہیں۔

پاکستانی سیاست میں عدم بلوغت کا شکار ہو کر چھٹ جانے والے میرے ایک اور عظیم دوست قرشی انڈسٹریز کے مینیجر اور قومی طبی کونسل کے صدر میاں محمد احمد سلیمی وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے قدمے سخنے میری غذا و صحت کی کتاب میں مدد کی بلکہ بائیس برس تک اپنے قومی سطح کے ہیلتھ میگزین میں مجھے خصوصی جگہ بھی دیتے رہے بلکہ میری متلون مزاجی کے بل پر میرے لکھنے سے کئی بار انکار کے باوجود نیز بیرون ملک ہونے پر بھی میری پچھلی تحریریں ہی دہرائے چلے جاتے رہے۔ انہوں نے مجھے سو مضامین پر اقبال قرشی صاحب سے ایوارڈ بھی دلوایا تھا اور یہی "غلطی" وہ میرے اگلے سو مضامین پر بھی ابھی دہرانے جا ہی رہے تھے کہ مجھے یوتھیا کہہ کر محبت میں حادثے کا شکار ہو کر دوستی سے انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہم دونوں کے انتقال کے باوجود میرے مضامین ابھی تک تسلسل سے ماہنامہ "قومی صحت" میں چھپ رہے ہیں۔

یہاں شاعرہ و ادیبہ محترمہ کنیز بتول کی میری شاعری کی کتاب میں حوصلہ افزائی کا ذکر نہ کرنا بخیلی ہو گی۔ وہ قیمتی مشوروں کے ساتھ ساتھ ابھی میری کتاب "وہ مسافر بھی گیا" کی پی ڈی ایف تیار کرا رہی ہیں۔ لیکن میں سب سے زیادہ مائیکل ذکر برگ کا ممنون ہوں جو اگر مجھے فیس بک تک رسائی نہ دیتا تو میں جیسے کنوارہ ہی مر جاتا۔ اگلا کریڈٹ بیگم کو جاتا ہے لیکن اس کو گھر کی مرغی سمجھ کر میں زیادہ تعریف نہیں کرتا۔ گو کہ بیگم نے میری ایک کتاب بھی نہیں پڑھی لیکن یہی کیا کم ہے کہ میں نے اسے دیا جانے والا وقت چوری کیا اور کتابیں منشا شہود پر آ گئیں۔ البتہ وہ شاید یہ سمجھ کر میری حوصلہ افزائی میں شامل رہی کہ جب میرے قارئین مجھ پر تنقید کے تیر برسائیں گے تو اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو کر بدلہ بھی چکتا ہو جائے گا۔

میری ساری نگارشات میں دور حاضر کی مروجہ تین شدید خامیاں موجود ہیں جنہیں ذہن میں رکھ کر ان کا مطالعہ فرمائیں اور پھر اپنے قیمتی خیالات سے آگاہ فرمائیں۔ وہ خامیاں یہ ہیں:

- یہ کتب پاکستان سمیت مختلف ممالک میں میری وہاں کی پاکستانی و بھارتی کمیونٹی سے پی آر (یا پیار) اور نسبت کے حوالے سے خالصتاً ذاتی سمجھ کے مطابق ہیں اور ان میں موجود خیالات و الفاظ نیٹ سے نہیں اٹھائے گئے۔ گوگل کے حوالے موجود ہیں لیکن میرے تبصرے اور تنقید کے ساتھ۔ لہٰذا جہاں بھی نیم پختگی نظر آئے وہاں واحد ذمہ دار میں ہی ہوں۔

- مذکورہ دونوں کتب قومی زبان اردو میں ہیں کیونکہ مجھے بھی اپنے دور جہالت میں انگریزی کا مصنوعی بخار چڑھتا رہتا تھا لہٰذا یہ سوچ کر انگریزی میں کتاب لکھ دیتا ہوں کہ

کسی نے پڑھنی تو ہے نہیں بس محض رعب ہی تو جھاڑنا ہے کہ مجھے انگریزی بھی آتی ہے۔

- میں کسی کالج یونیورسٹی میں استاد نہیں رہا ماسوائے زرعی یونیورسٹی وارسا میں پونے دو برس کے۔ اس لئے استادی لگا کر ماتحت محققین سے مدد نہیں لے سکا لہٰذا ساری تحریریں میری ذاتی کاوش ہیں۔ اس لئے بھول چوک تسلیم کر لوں گا۔

- چونکہ اب مجلد شکل میں کتب بینی تقریباً ختم ہو چکی ہے اس لئے پی ڈی ایف میں اپنی کتابیں منتقل کر رہا ہوں نیز ویسے بھی مسلمان یہودی کے اوسطاً 37 دن سالانہ مطالعے کے مقابلے میں محض 8 منٹ سالانہ مطالعہ ہی کر پاتے ہیں اس لئے مندرجہ ذیل یوٹیوب چینل پر براہ راست بات کر لیتا ہوں تاکہ شاید کوئی اپنے یا کمیونٹی کے بھلے کی خاطر جڑنا چاہے تو بآسانی جڑ جائے۔ مگر اب ہوا یوں کہ کچھ کتاب دوست یاروں کے پر زور اصرار پر اپنی تحاریر جلدی شکل میں لانی پڑی ہیں۔ معافی مشکل۔۔

"آٹھ منٹ سالانہ کے کتاب دوست"

کالم میٹھا سچ 554 از ڈاکٹر سلطان محمود

2 دسمبر 2022ء

ایک دن دو بہنیں بصد اصرار میری کتاب مستعار کر کے لے گئی اور پھر ایک روز وہ صاف گو بہنیں میری کتاب "غذائی علاج" کی آخری جلد کو دو ماہ اپنے پاس رکھ کر بغیر پڑھے مجھے واپس کرنے آ گئیں۔ تقدس سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن اس وقت زیادہ آنکھیں بھر آئیں جب انہوں نے بتایا کہ شکر ہے ردی میں بکنے سے بچ گئی آپ کی کتاب کیونکہ وزن میں بہت ہلکی تھی۔

ویسے صرف ان کا ہی قصور نہیں۔ میں نے اس کتاب کی پانچ سو کاپیاں بانٹی ہیں لیکن قسم لے لیں کسی ایک نے بھی پڑھی ہو جس کا اندازہ میں نے اس بات سے لگایا ہے کہ کسی نے پلٹ کر کچھ تبصرہ ہی نہیں کیا کبھی۔ میں البتہ ان دوستوں کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے کم از کم کتاب حاصل کرنے میں دلچسپی تو ظاہر کی چاہے ردی ہی بیچنا چاہتے ہوں۔

اب اس کا سٹاک ختم ہونے کے بعد میں نے محسوس کیا ہے کہ شاید علم کی ایک رتی تو کسی کی چشم ناز کی توجہ حاصل نہ کر سکی ہو مگر مجھے ذاتی طور پر کافی ستائش مل گئی ہے جو شاید میرا اولین مطمع نظر ہی نہ تھا۔ کیونکہ اس کتاب میں یکجا کئے گئے میرے مضامین عرصہ بیس برس تک ادارہ قرشی انڈسٹریز کے ماہنامہ "قومی صحت" کے لگ بھگ ایک لاکھ قارئین تک ماہانہ پہنچتے رہے اور ادارہ میرے

قارئین کی آراء بھی تواتر سے چھاپتا رہا۔ اس ستائش کے بعد مجھے اپنی موجودہ کاوش سے اضافی تعریف کی حاجت نہیں رہی۔

ایک حیران کن امر نے کافی عرصہ مجھے اپنی لپیٹ میں لئے رکھا کہ اسی کتاب کی چھ بار مختلف شہروں میں رونمائی کے دوران درجنوں خواتین و حضرات جو لپک لپک کر مجھے سے کتاب وصول کرتے رہے انہوں نے ازاں بعد اسے دوسری کتب کے ساتھ ملا کر کیا ان کا اچار ڈالا ہو گا؟ کیونکہ یہ کتاب علم میں نہیں بلکہ وزن میں انتہائی ہلکی ہونے کے باعث شاید ردی میں بھی نہ بک سکتی ہو گی۔

چالیس سالہ پرانے میرے ایک ڈاکٹر دوست نے پچھلے برس ایک ڈنر کے دوران مجھ سے ایک کاپی زبردستی چھین لی جس پر میں نے بظاہر خفگی مگر اندرونی طمانیت محسوس کی کہ شاید کھابوں میں مصروف باقی دوست بھی مجھ سے کتاب مانگ کر مجھے غرور کا موقع دینگے لیکن کسی نے بھی جلن کے باعث مجھ سے اس کتاب کا نام تک نہ پوچھا۔ ابھی پچھلے ہفتے باقی دوستوں کی یہی شکایت میں نے کتاب چھیننے والے "علم دوست" ڈاکٹر سے کی تو یہ جان کر دھچکا لگا جب انہوں نے الٹا یہ شکایت مجھ سے کر دی کہ یار آپ نے مجھے تو کتاب نہیں دی کبھی۔ کر لو گل۔

ویسے تو دنیا بھر میں کتاب پڑھنے کا رجحان کم ہوا ہے لیکن پاکستان نے غالباً سب سے پہلے میدان مارا ہو گا جہاں کے مسلمانوں کے بارے میں ایک سروے میں انکشاف کیا گیا تھا کہ یہودی سال بھر میں "سینتیس دن" کتابیں پڑھتے ہیں اور مسلمان محض "آٹھ منٹ سالانہ"۔ وما الینا الی البلاغ۔۔

"بھٹو خاندان کی جمہوریت"

کالم میٹھا سچ 555 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 دسمبر 2022ء

معذرت سے عرض کروں کہ میں ثبوتوں سمیت گواہ ہوں کہ پیپلز پارٹی اپنی تاسیس سے اب تک صرف اور صرف اقتدار ہی کے لئے کٹی مری۔ جن کو آپ شہادت کہتے ہیں وہ بھی سبھی ہلاکتیں اقتدار حاصل کرنے کی کوششوں میں ظہور پذیر ہوئیں۔ یہ ہلاکتیں مذہبی نکتہ نظر سے کسی بھی صورت میں شہادت کے زمرے میں نہیں آتیں۔

بھٹو صاحب کے دادا سر شاہنواز کا انگریز کی جو ذاتی سطح پر بیشمار خدمت اور قدم بوسی سے سفر شروع ہوا وہ محض اقتدار اور طاقت کی خواہش میں تھا اور مقامی سندھیوں سے غداری کے عوض انہیں گورے نے معاوضے کے طور پر اتنی زمینیں پھر دے دیں کہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے وقت میں ان کے پاس 36 ہزار ایکڑ زمین کی ملکیت آچکی تھی جس میں نوریلوے سٹیشن آتے تھے۔

یہ بھٹو خاندان کی خوش قسمتی ہے کہ دو فوجی آمریتوں کے درمیانی وقفہ میں بھٹو صاحب کو ایک نیم جمہوری حکومت قائم کرنے کا موقع مل گیا جس سے آج کے کائیاں لوگ انہیں جمہوریت کا چمپیئن کہہ کر سادہ لوح عوام کو چکمہ دیتے ہیں اور پیپلز پارٹی جس دوسری جمہوریت کا چکمہ دیتی ہے وہ بد قسمتی سے محترمہ بینظیر کی تیسرے فوجی آمر کے ہاتھوں ہلاکت ہے جس میں زرداری کے انتہائی شاطرانہ کردار سے پیپلز پارٹی بھٹو خاندان سے نکل کر زرداری خاندان کی ملکیت میں چلی گئی۔ اور

یہاں بھی مقصد اقتدار تھا اور پیسے کی ہوس تھی۔ بلکہ آج بھی بلاول کا پی ڈی ایم میں موجود ہونا صرف اور صرف اقتدار کی خاطر ہے۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ پر نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ بھٹو خاندان پہلے انگریز، پھر فوجی جنتا اور پھر سی آئی اے کے کندھوں پر ہی سوار رہا جبکہ یہ تینوں طاقتیں کبھی بھی جمہوری نہیں رہیں۔ اس لئے عوام کو یہ کہہ کر دھوکہ نہیں دیا جاسکتا کہ بھٹو اور زرداری خاندانوں نے کبھی محض جمہوریت کی خاطر ذراسی بھی قربانی دی ہو بلکہ تاریخ کا بے رحم تجزیہ جانتا ہے کہ یہ سبھی لوگ ایک صدی سے صرف اور صرف دولت اور اقتدار کے لئے ہی کٹے اور مرے۔

ان خاندانوں کا ایک سادہ سا امتحان اب بھی لیا جاسکتا ہے جس کا نتیجہ اگر میرے خیالات کے برعکس نکلا تو میں آپ کا غلام۔ انہیں آبائی دولت اور سچی جمہوریت سے صرف ایک چیز سختی سے چننے کا کہیں۔ اگر یہ ساری دولت گنوا کر جمہوریت کی جانب آگئے تو آپ سچے۔

پاکستان میں جمہوریت کا نعرہ اسلام کے نعرے کی طرح کا ایک کاروبار ہے اور بس باقی سب کہانی ہی کہانی ہے۔

امجد وڑائچ

ڈاکٹر صاحب جواب مجھ پر قرض رہا آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔

ڈاکٹر سلطان

ضرور یہ آپ کا حق ہے لیکن پلیز سنی سنائی باتیں شئیر نہ کیجئے گا اس طرح دونوں طرف وقت ضائع ہو گا۔ میں نے جو بھی لکھ دیا اس کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ مختلف رائے رکھنا آپ کا حق ہے لیکن اگر آپ کے پاس مستند حوالے موجود نہیں تو زور مت لگایئے کیونکہ تاریخ کا مضمون بہت ظالم چیز ہے۔ حوالوں کی عدم موجودگی کی صورت میں آپ کی خاموشی بہترین جواب ہو گی۔ ویسے بائی دی وے، آپ کی پسندیدہ پارٹی اور خاندان نے جو کچھ مناسب سمجھا کیا اس میں نہ آپ کا کوئی دخل تھا اور نہ ہم جیسوں کا کوئی مشورہ۔ آپ الحمدللہ بہت باعزت شخص ہیں اس لئے آگے سوچئے کہ کیا کرنا ہے؟

"گورے کی تنزلی"

کالم میٹھا سچ 556 از ڈاکٹر سلطان محمود

13 دسمبر 2022ء

مرحوم غلام احمد پرویز ایک بلند پایہ تاریخ دان اور مذہبی محقق ہیں لیکن اب وہ خود تاریخ کی زد میں ہیں۔ قائد علیہ رحمت کی حد تک ان کے خیالات درست ہیں لیکن انگریز کے ماوتھ پیس ہونے کے سبب وہ تحریک پاکستان کو غیر حقیقی رنگ میں پیش کرتے رہے ہیں۔ یہ قائد علیہ رحمت کے اولین مشیر تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کو اصل حقائق سے موڑ کر مذہبی ٹچ فراہم کیا۔

قائد محترم محمد علی جناح برصغیر کی وہ ممتاز شخصیت تھی جن کی صفات قابلِ ستائش ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جناح نہ ہوتے تو پاکستان وجود میں نہ آتا۔ لیکن اس حقیقت سے ہٹ کر یہ بات گہرائی تک جاننے کی بھی ضرورت ہے کہ آخر انگریز نے بٹوارے کا فیصلہ کیا ہی کیوں؟ ہاں عرض کرتا چلوں کہ ہم سب کو بہر حال اس ٹرانس سے باہر نکل آنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کا بننا کوئی مقامی فیصلہ یا جدوجہد تھی۔ انگریز چاہتا تو ہندوستان کو ایک ملک ہی رکھ کر آزاد کر کے چلا جاتا اور ہم آج بھی ہندو کے غلام ہوتے لیکن اس نے مذہبی بنیاد پر دو ممالک جنم دے دیئے جو پچیس برس بعد تین ہو گئے جس کی بنیاد تقسیم ہند ہی کے وقت میں مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان ہزار میل کا فیصلہ رکھ کر ڈال دی گئی تھی۔ آج پچھتر برس بعد بیٹھ کر بے لاگ تجزیہ کریں تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

- امریکی و برطانوی گورے کو اس خطے میں موجود رہنے کی کم از کم سو سال تک ضرورت تھی تا کہ ایران، جاپان اور نو مولود مذہبی ریاست پاکستان کے ساتھ مل کر فوری طور پر روسی نظام کو نکیل ڈال سکے۔ جو 1915ء کے انقلاب روس سے گورے کے حواس پہ چھایا ہوا تھا۔ چونکہ گورا یہ کام ان وژنری کانگریسی رہنماؤں سے نہیں لے سکتا تھا جو ازاں بعد تیس برس تک بھارت کے مسلسل حکمران رہے۔ لہٰذا اگلے چالیس برسوں میں پاکستانی فوج سے مل کر امریکہ نے سوویت یونین کی طاقت پاش پاش کر دی۔ اسی پراکسی وار میں بھارت کا روس کی جانب جھکاؤ رہا جو ثابت کرتا ہے کہ گورے کی ہندوستان میں مذہبی بنیاد پر جغرافیائی تقسیم والی حکمت عملی سو فیصد کامیاب تھی اور پاکستان کا بنایا جانا اسلامی طاقت میں اضافہ نہیں بلکہ گورے کی طاقت میں اضافہ تھا۔ اس نکتے سے صرف نظر کرانے کے لئے آج تک کے مطالعہ پاکستان کے مضمون میں فرضی تاریخ ڈال کر ہماری اب تک کی نسلوں کے ذہن کو پراگندہ کیا جاتا رہا ہے۔

- کشمیر، سندھ، بنگال اور پنجاب کی بھی مذہبی بنیادوں پر تقسیم کی گئی تا کہ بھارت اور پاکستان ہمیشہ رقابتی جنگوں میں گورے کے اسلحے کے خریدار رہیں جس سے ایک جانب گورا امیر سے امیر تر ہوتا رہے لیکن یہ متحارب ممالک جنگوں کے باعث ایشیا میں کمزور رہ کر ہمیشہ گورے ہی کی پراکسی وار لڑتے رہیں۔

- گورے نے دولت مشترکہ بنائی اور پاک و بھارت کو اس میں شامل رکھا کیونکہ وہ ان کی دولت آئندہ کے لئے بھی ہمیشہ چوستے رہنا چاہتا تھا مگر اس نے سونے پر سہاگے کا یہ کام بھی کامیابی سے کر لیا کہ طبعی طور پر گورے نے اپنے آپ کو مستقبل کی اس ایشیائی دلدل سے باہر نکال لیا اور اپنی صاف نسل کی دھلائی صفائی بھی کر لی نیز طاغوت اس سیاسی تنقید سے بھی صاف بچ نکلا کہ یہ انسانی حقوق کا خیال نہیں رکھتا۔ بلکہ گورے نے ہمیں آزادی دے کر اپنے آپ کو جمہوریت کی ماں بھی قرار دلوالیا۔ گورے کو آج بھی ہماری کمائی گئی دولت کا معقول حصہ پاک بھارت کے کرپٹ حکمرانوں کے توسط سے مل رہا ہے۔ ہاں یہ اور بات کہ ذہانت کی اس جنگ میں گورا اب ہارتا چلا جارہا ہے کیونکہ ایشیائی تارکین وطن برطانیہ کی سیاست میں اوپری درجے تک پہنچ چکے ہیں بلکہ اسوقت برطانیہ کا وزیر اعظم بھی ہندو ہے۔

- گورا صرف ایک سمت میں گھاٹے میں رہا اور جو آج اس کے ایشیا سے چھٹی کا سبب بھی بن رہا ہے اور وہ یہ کہ وہ روسی کمیونزم سے نفرت کی جنگ کے وقت چین کا سیاسی و معاشی مطالعہ نہ کر سکا ورنہ امریکی آکٹوپس یوں آسانی سے اپنے پنجے ایشیا سے نکال نہ پاتا بلکہ کافی حد تک امریکہ کی یورپ سے بھی چھٹی ہونے والی ہے۔ روس اور چین کے اتحادی بننے کی بھی بنیادی وجہ گورے کا دولت کے لالچ اور حرص میں توسیع پسندانہ اقدامات تھے جو اب چین و روس کی مضبوط معاشی سرگرمیوں سے گورے کی شکست کا باعث بن رہے ہیں

"کیا قرآن حفظ کر لینا ہی کافی ہے؟"

کالم میٹھا سچ 557 از ڈاکٹر سلطان محمود

26 دسمبر 2022ء

قرآن کریم کا حفظ کرنا بلاشبہ اہم اور باعث برکت ہے لیکن یہیں تک رک جانے سے مسلمانوں میں قرآن کریم کا فہم اور سمجھ بھی رک جاتی ہے عمل کرنا تو دور کی بات۔ علامہ غلام احمد پرویز کی یہ منطق برحق اور انتہائی اہم ہے اور وہ اسے ہی مسلمانوں کی تنزلی اور بربادی کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ اور ان کی رائے نے میرے بچپن کی حفظ بارے الجھن کو دور کر دیا ہے۔

آج کا مسلمان اتنا احمق یا منافق ہے کہ مجھے اس سلسلے میں اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ لائلپور (موجودہ فیصل آباد) کی پیپلز کالونی بی بلاک میں ہمارے پڑوس میں ایک نوجوان ع پر الزام لگا کہ وہ اپنے دوست سے مل کر دو لڑکیاں اغوا کر کے مری لے گیا ہے جو چند دن بعد برآمد بھی ہو گئیں۔ ہم اس واقعہ کو بھول بھال گئے بلکہ اس لڑکے کی دیگر خرمستیاں کے قصے بھی فراموش ہو گئے البتہ یہ سننے میں آتا رہا کہ اس نے اپنے سب لڑکوں کو قرآن حفظ کرا دیا ہے کیونکہ اسے کسی "عالم" نے بتایا ہے کہ جو والدین کسی ایک بچے کو بھی قرآن حفظ کرا دیں ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ ہم لاہور چلے آئے اور کبھی کبھار ہی ملاقات رہنے لگ گئی۔

ایک دن میں اپنے ماموں کے ہاں گلشن راوی میں بیٹھا تھا کہ معلوم ہوا کہ اس کا حافظ بیٹا ایک لڑکی اغوا کر کے لاہور میں کہیں چھپا ہوا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے جسے اس کے باپ ع نے اجازت نہیں دی تھی۔ کوئی سال بھر بعد فیصل آباد والے اپنے سابقہ محلے میں ایک شادی پر معلوم ہوا کہ لوگوں نے بیچ میں پڑ کر نکاح کرا دیا تھا کیونکہ لڑکی حاملہ ہو چکی تھی۔

مجھے آج تک حیرت ہے بلکہ بچپن سے ہی یہ سوال ذہن میں کلبلاتا رہا کہ کیا اپنی بخشش کے پیش نظر بچوں کو محض قرآن حفظ کرا دینا ہی کافی ہے یا اس سے آگے قرآن سمجھانا اور اس پر عملدرآمد کرانا بھی کوئی معنی رکھتا ہے؟

"نہ کر بندیا میری میری، توں ایں خاک دی ڈھیری"

کالم میٹھا سچ 558 از ڈاکٹر سلطان محمود

27 دسمبر 2022ء

شکریہ ہمارے ایک فیس بک فرینڈ کا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا یا سمجھا جانے بارے ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی عیسائی خاتون کا موقف پیش کیا ہے جس نے اچھی مثالوں سے اپنے موقف کی وضاحت کر دی کہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا محاورتاً کہا جاتا ہے یا یہ ایک طرح کا لقب ہے جو لغوی ہے حقیقی معنوں میں نہیں۔ انہوں نے پوچھا ہے کہ کیا جب ہم فرزند ان توحید کہتے ہیں تو کیا اس کا بھی لغوی مطلب اللہ کے بیٹے نہیں نکلتا؟

محترمہ کی یہ وضاحت بہت خوبصورت ہے لیکن ہر عیسائی کے عقائد کے مطابق نہیں کیونکہ ان میں بھی ہماری طرح کے فرقے موجود ہیں۔ دوسری بات یہ کہ "میری کرسمس" کا لفظی مطلب ہی یہ ہے کہ "اللہ نے بیٹا جنا"۔ اگر یہ ایسی ہی کوئی عام سی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سورہ الاحد کیوں اتارتے؟

دوم، محترمہ کا موقف بہت بجا اور منطقی ہے لیکن یہ آج سائنس کی بے حساب ترقی کے زیر اثر بدلا گیا ہے کیوں کہ پرانے عقائد آہستہ آہستہ باطل ثابت ہو رہے ہیں۔ اسلام میں بھی بعض عقائد تبدیل ہو رہے ہیں اور سائنسی ترقی کی روشنی میں بہت سے ایسے روائتی عقائد معدوم ہوتے جا رہے ہیں اور ہوتے چلے جائیں گے جن کا تذکرہ کلام مجید میں نہیں۔

سوم، یہ صرف پاکستان کا ہی سوال نہیں کہ یہاں عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں بلکہ میں نے دنیا کے سترہ ممالک میں ہر جگہ یہی دیکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ہی مانا جاتا ہے اور وجہ حضرت مریمؑ کی پاکیزگی کے سبب ہے تاکہ عام لوگ انہیں نعوذ باللہ بدکاری کا طعنہ نہ دیں۔

چہارم، پوری دنیا میں مذاہب معدوم ہو رہے ہیں خصوصا جہاں جہاں اقوام سائنسی ترقی کی جانب سفر کر رہی ہیں وہاں خود ساختہ مذہبی عقائد دم توڑتے جا رہے ہیں۔ نیز میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ سائنس ثابت ہی صرف قرآن کو کر رہی ہے اور جس دن قرآن کریم سائنسی لحاظ سے مکمل سچا ثابت ہو گیا اس دن تمام مذاہب مٹ جائیں گے اور پوری کی پوری انسانیت صرف قرآن کی حقانیت پر کھڑی ہو گی اور یہ وقت سائنس کی تیز ترین ترقی کے باعث زیادہ دور نہیں رہا بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہزار سال سے بھی کم ہی رہ گیا ہو۔ میرا گمان ہے کہ آج کی سائنس نے قرآن کی حقانیت اندر سے مان لی ہوئی ہے اور بیشمار غیر مسلم سائنسدان "ریورس انجینئرنگ" کے اصول پر چل رہے ہیں یعنی قرآن میں دیئے گئے نتائج سامنے رکھ کر اپنی سائنسی تحقیقات کا رخ متعین کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کے مطابق رب تعالیٰ کے اپنے الفاظ ہیں کہ ہم اس کے ہیں جس نے قرآن سمجھا، مانا اور پھر اس پر عمل کیا۔ یہاں کہیں بھی بے عمل مسلمانوں کا ذکر نہیں بلکہ ہر اس انسان کا ذکر ہے جو قرآنی احکامات کو مانتے ہوئے زندگی گزارے بھلے سے وہ اپنے آپ کو عیسائی، یہودی یا ہندو ہی کہتا ہو یعنی سچ بولے، ملاوٹ نہ کرے اور دھوکہ نہ دے، وغیرہ وغیرہ۔ ہاں آج ہمیں یہ بات عجیب نظر آتی ہے لیکن کل کلاں اگر ہم جیسے مسلمانوں سے کہیں زیادہ قرآن پر عمل کرنے والی غیر مسلم اقوام کلمہ گو ہو گئیں تو اس وقت ہم بے عمل یا منافق مسلمان کہاں منہ چھپائیں گے؟

اس وضاحت کی روشنی میں اس عیسائی محترمہ کی وضاحت دوبارہ سنیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ آج کی سائنس کے ذریعے غلط عقائد کو اسی کے ماننے والے خود ہی تبدیل کرتے چلے جا رہے ہیں اور آنے والے وقتوں میں ہر مذہب باطل ہو جائے گا بشمول مذہب اسلام اور جو رہ جائے گا وہ ایک ہی دین ہو گا یعنی دین اسلام یعنی قرآن نظام رہ جائے گا جس پر پوری انسانیت ایمان لے آئے گی لیکن اسلام کے مذہبی پہلو یعنی خانقاہی و صوفیائی ورژن معدوم ہو جائیں گے۔

پھوکے فائر

کالم میٹھا سچ 559 از ڈاکٹر سلطان محمود

4 جنوری 2023ء

ایک دوست نے لکھا ہے کہ ایوارڈز شیشے کی بجائے لکڑی یا پلاسٹک سے بنے دیئے جائیں تا کہ ٹوٹنے سے بچ سکیں۔ ان کی بات تو درست ہے کیونکہ ہمارے بھی شیشے سے بنے دو ایوارڈز ٹوٹ چکے ہیں۔ لیکن غور کیا تو سمجھ آئی کہ اگر وہ نہ بھی ٹوٹتے تو آج کیا ہم وزیر اعظم بننے سے رہ جاتے؟ یا ہماری دوسری شادی ہو چکی ہوتی۔

ایک مختلف نکتہ بھی محل نظر ہے۔ وہ یہ کہ آخر یہ ایوارڈز، ٹرافیاں اور اسناد ہیں کس کام کی؟ اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟ دوم حصول کے بعد انہیں دیکھتا کون ہے؟ چونکہ ایوارڈز کتاب وغیرہ کی طرح کسی اور کے نام کئے بھی نہیں جا سکتے اس لئے الماریاں بھرنے کا فائدہ کیا ہے؟ میری چار الماریاں بھر چکی ہیں اور اکثر سوچتا ہوں کہ ان کا کیا کروں؟ اپنی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کو ان میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ان میں سے سب سے بہتر اسناد رہتی ہیں کم از کم ان کی سوفٹ کاپی بنا کر انہیں پھاڑا تو جا سکتا ہے یعنی ریکارڈ میں بھی رہے اور جگہ بھی نہ گھیرے۔ ترقی یافتہ دنیا میں ہارڈ کاپی کے ساتھ ہمیشہ ڈیجیٹل کاپی بھی دی جاتی ہے جس کا مقصد پچاس برس پہلے بھی وہی تھا جس کا مشورہ میں اب دے رہا ہوں۔ میں نے کچھ سالوں سے یہ بیکار اور بے مقصد اکٹھ وصول کرنا ہی چھوڑ دیا لیکن اگر اصرار کر کے کوئی دینا بھی چاہے تو میں بغیر اپنے نام کے لے لیتا ہوں اور بعد میں کسی

دوست یا جاننے والے متعلقہ بندے کو دے دیتا ہوں کہ جاؤ بھیا اپنا نام لکھو اور کھیلو ان سے نیز مہمانوں وغیرہ کو پکڑ پکڑ کر متوجہ کرو کہ دیکھو میں نے کیا کیا تیر مار رکھے ہیں۔ معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ جیسے ہماری ڈگریوں کے پیچھے علم نہیں ہوتا اور قسموں کے پیچھے نیت نہیں ہوتی ایسے ہی ان ایوارڈز و اسناد کے پیچھے اصلیت و اخلاص نہیں ہوتا۔ آخر میں میری ناکام مارکیٹنگ کے پیچھے خواہش ہے کہ کوئی میرے نام والا بندہ یہ کاٹھ کباڑ مجھ سے مفت میں اٹھالے جانے والا بنے تو یقین کریں میں اسے کسی بھی فائیو سٹار ہوٹل میں ڈنر کرادوں گا۔

"علم اور روٹی کے پیاسے"

کالم میٹھا سچ 660 از ڈاکٹر سلطان محمود

8 جنوری 2023ء

صبا ممتاز بانو صاحبہ

اس گروپ میں موجود ایک صاحب کے بارے میں مجھے الجھن تھی کہ وہ شاعر ہیں، انجینئر ہیں، ماہر ماحولیات ہیں یا سیلز کے آدمی ہیں لیکن آج میرے ہاتھ پاؤں مزید پھول گئے ہیں یہ جان کر کہ وہ بائیکر اور ٹورسٹ بھی ہیں۔

ایک بار ایک محفل میں کسی صاحب نے اعلان فرمایا کہ چھ ایم اے کر چکا ہوں اور اب پی ایچ ڈی کرنے کا سوچ رہا ہوں۔ ہماری بھی زبان بے قابو ہو گئی اور پوچھ بیٹھے کہ حضرت اگر پڑھنے لکھنے سے فرصت ملے تو میٹرک بھی کر لیجئے گا۔

ویسے لاہور میں ایک روٹی گروپ بھی موجود ہے۔ اس کے اراکین ہر سیاسی، ادبی، روحانی، کھیل کود حتیٰ کہ سائنسی محافل میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ بیچارے گھر کب جاتے ہوں گے؟ ان میں سے ایک نے بتایا کہ ایک بار میرے ساتھ یہ سانحہ ہوا کہ ذرا سی دیر کے باعث ایک میٹنگ میں گھس نہ پایا تو بھوکے گھر جا کر گھر کا کھانا کھانا پڑ گیا۔ بس میں نے بھی جی کڑا کر کے زندگی میں حرام کا ایک کھانا کھا ہی لیا اور پھر اللہ سے بہت معافی مانگی۔

ایک بار گھر میں کسی ناراضگی کے باعث میں نے روزانہ کی بنیاد پر دو دو دعوتیں ملنے سے تنگ آ کر ایک دعوت میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ وہاں دوستوں نے خوب خوب استقبال کیا لیکن قسمت میں بھوکا رہنا شاید لکھا تھا۔ کھانے پر سب یوں جھپٹے جیسے قصائی کے چھچھڑوں پر وفادار جانور بازی لینے پل پڑتے ہیں۔ پریکٹس کی کمی پر اس دن بہت دکھ سے بھوکا رہنا پڑ گیا اور پھر ناراض بیوی ہی سے کھانا مانگ کر کھانا پڑ گیا۔

محترمہ آپ دائیں بائیں نہ دیکھیں۔ اگر پہچاننا چاہتی ہیں تو ڈرامے کے طور پر حاملہ ماؤں کی غذا بارے کسی ایسی میٹنگ کا بندوبست کر لیں یا امرود کو کیڑا لگنے سے محفوظ رکھنے پر کوئی تربیتی ورکشاپ رکھیں جس میں کھانے کا بندوبست بھی ہو۔ انشاءاللہ آپ ان کو وہاں بھی موجود پائیں گی۔

لٹیروں کی بخشش

کالم میٹھا پیچ 561 از ڈاکٹر سلطان محمود

8 جنوری 2023ء

عمر شریف کا بیان بہت ملاؤں پر بھاری ہے۔

چونکہ میں عمران کو ایماندار سمجھتا ہوں اس لئے یہی نکتہ اٹھاؤں گا کہ یہ اس کی ماں ہی کی تربیت ہو گی جو یہ ایماندار رہا اور پھر چیریٹی ہسپتال اور یونیورسٹیاں بنا دیں۔

عموماً لوگ عمران کی طلسماتی شخصیت کے جلاپے میں اس کی رنگین جوانی بیچ میں لے آتے ہیں۔ جس پر میرا موقف یہ ہے کہ اگر وہ تائب ہو کر اللہ سے معافی پا گیا ہوا تو ہم تو محض حاسد ہی ٹھہرائے جائیں گے کیونکہ بندے اور اللہ کے بیچ معاملے کی کون گارنٹی سے بات کر سکتا ہے؟

دوم۔ اب آئیں نواز شریف، زرداری و فضلو جیسے منافقین کی جانب۔ ان کی جیبوں، تجوریوں اور بنکوں کے علاوہ روئے زمین پر قوم کے مستقبل کی قیمت اور اگلی نسلوں کا خون لگا ہوا ہے جسے وہ جب تک حقداروں کو واپس نہیں کرتے تب تک ہمیں اللہ کے فیصلوں کا پہلے سے علم ہے جو رب تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اگر تمام جرنیل، جج، تاجر، صحافی، نوکر شاہی اور ملاں حقداروں کا حق اسی دنیا میں واپس نہیں کرتے تو وہ لعنت کے حقدار ہی ٹھہرائے جاتے رہیں گے۔

ان چوروں اور اللہ کے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ ہو نہیں سکتا۔ البتہ امکان ہے کہ ایسی خفیہ بخشش عمران کے حق میں شاید ہو جائے۔

میں نے صبح بھی کہیں لکھا ہے کہ قوم زرداری اور نواز شریف کو لعنتوں کے ہار پیش کرے۔ ان دونوں اندرونی دشمنوں نے گھر کی لنکا ڈھائی اور جنہوں نے یہ ترقی کرتی لنکا جانتے بوجھتے ڈھنے دی (یعنی سہولت کار) اللہ ان کی سات نسلوں میں کیڑے ڈالے۔

تبصرہ از امجد وڑائچ

ڈاکٹر صاحب جتنے قرضے تین سال میں اپ کے لیڈر نے اپنے دور حکومت میں لئے اتنے قرضے ۷۰ سال میں نہیں لیے گے ملک معاشی طور پر تباہ ہونا تھا۔۔ اللہ ان سبکو اورانکی اولادوں کو غارت کرے جنہوں نے ملک کو لوٹا اور برباد کیا۔

ڈاکٹر سلطان

میں قرضوں کی حمایت ہر گز نہیں کر سکتا لیکن محترم یہ ذہن میں رکھیں کہ پاکستان کنگال ملک ہے اس لئے شاید دنیا کا واحد ملک ہو گا جو قرضے اتارنے کے لئے قرضے اٹھانے پر مجبور ہوا۔ زرداری اور نواز شریف کے تیس ہزار ارب کے قرضے کیسے اتارے جاتے چلیں آپ ہی بتا دیں صاحب نظر ہیں آپ بھی۔

"پنجابی ڈھگا"

کالم میٹھا سچ 562 از ڈاکٹر سلطان محمود

11 جنوری 2023ء

اس کی تاریخی وجہ ہے۔ پنجابی کسان فطرت ہونے کی وجہ سے بہادر، سادہ دل، ترقی پسند اور مہمان نواز تو باقی اقوام جیسے ہی ہیں لیکن امن پسند زیادہ ہونے کے باعث اطاعت گزاری میں ان کا جواب نہیں۔ یعنی ڈھگے کی طرح اپنے کام سے کام رکھنے کے باعث یہ کسی مسابقت میں نہیں پڑتے۔ اس لئے انہوں نے ترقی و طاقت لیکن پر سکون انداز زندگی کی خاطر اپنے رہنماء ہمیشہ بیرون پنجاب سے ہی منتخب کئے اور یہ ان پر اس حد تک فریفتہ ہو جاتے ہیں کہ ذرا سا بھی چالاک غیر ملکی مہمان ہو تو ان کو بآسانی رام کر سکتا ہے۔ جیسے انگریز، پٹھان اور سندھی حکمرانوں نے ان کو رام کر لیا۔ بھٹو کی مثال قریب کی ہے کہ اس کو اتنی پذیرائی اس کی اپنی قوم نے نہیں دی جتنی پنجابیوں نے دی۔ ان کے اندر گوشت خور پٹھان کی طرح کی مزاحمت اور انتقام نہیں ملے گا بلکہ سبزی خور ہندو کی صفات شاید زیادہ ہیں سوائے بزدلی کے۔ یہ اپنی بہادری کے باعث ہی انگریز اور پاک فوج میں نمایاں رہا۔ ایک خرابی البتہ پنجابیوں میں یہ رہی کہ یہ منافق نہ ہونے کے باعث مذہب کو زیادہ پذیرائی نہیں بخشتے تبھی انہی کے اندر دو نئے مذاہب، سکھ اور قادیانیت، نے بھی جنم لے لیا۔ سیاسی طور پر بھی

پنجابیوں نے ہمیشہ بنگالیوں اور مہاجروں کی طرفداری کی کیونکہ ان دونوں اقوام کو بھی انہوں نے علم و نظر میں اپنے سے برتر سمجھا۔

"اگر انگریز نہ آتا تو"

کالم میٹھا سچ 563 از ڈاکٹر سلطان محمود

جنوری 2023ء

تحسین احمد

پاکستان کے حالات بتاتے ہیں کہ اگر انگریز برصغیر میں نہ آئے ہوتے تو آج اکا دکا ہسپتال، سکول، کالجز اور ریلوے اسٹیشنز کی جگہ صرف مزار، قلعے، سرائے اور اصطبل ہی ہوتے۔

حضور معذرت سے عرض ہے کہ یہ ایک متنازع سوچ ہے جو اب بڑی حد تک باطل ثابت ہو چکی ہے خصوصاً جب سے چین، جاپان، روس، سپین، برازیل اور سویڈن وغیرہ نے بغیر انگریز کی حکمرانی یا غلامی کے ترقی کر کے دکھادی ہے۔ ہندوستان پچھلے تین چار ہزار سال سے سونے کی چڑیا تھی جس کی قریب قریب ساری دولت چوس کر انگریز نے خود ترقی کر لی اور ہمیں غریب ترین ہی نہیں کر دیا تھا بلکہ انگریزی زبان کے حوالے سے ان پڑھ ترین بھی بنا دیا تھا اور ابھی تک بنائے جا رہا ہے۔

آج وہی انگریز راز افشاء ہونے کے خوف سے آج کی جاہل اقوام کو دوبارہ ایسی سوچ میں مبتلا کر رہا ہے کہ جیسے اس نے ہندوستان پر احسان کیا تھا جو یہاں نہری نظام دیا، ریلوے دی، بندر گاہیں بنائیں اور آج بھی ہمارے لاکھوں تارکین وطن کے ذریعے اربوں ڈالر سالانہ بھارت، بنگلہ دیش اور

پاکستان بجھوا رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اہل علم اور اہل نظر پہلا سوال ہی یہ کرتے ہیں کہ انگریز ہندوستان میں یہ احسانات کرنے گھسا ہی کیوں تھا؟ اور اہل علم جانتے ہیں کہ نہری نظام انگریز نے زیادہ سے زیادہ غلہ اگانے کے لئے، ریلوے اسی غلے اور دیگر خام مال کو ساحلی علاقوں تک پہنچانے کے لئے نیز بندر گاہوں کو یہی مال و اسباب کی نقل و حمل میں سہولت کاری کے طور پر ساری دولت اپنے ہاں منتقل کرنے کے لئے 90 برس تک مسلح ڈاکہ زنی کی۔ اور اس مقصد کے لئے متحدہ ہندوستان ہی کے غریبوں کو سستی لیبر کو استعمال کیا اور خود ہلکی توپوں اور بھاری بندوقوں کے ذریعے ہمارے ہی بکاؤ قسم کے اجداد کو مراعات دیکر ساتھ ملا لیا جو آج بھی کم از کم پاکستان میں تو حاکم بنے بیٹھے ہیں۔ پھر دوسری جنگ عظیم میں بظاہر گورے کی فتح ہوئی مگر در حقیقت انتہائی لاغری کی حالت میں خود تو چلتا بنا لیکن اپنے پیچھے ان تینوں ممالک کے لٹیروں کے ذریعے آج بھی دولت اپنے ہاں منگوا رہا ہے (ذرا غلامانہ سیاسی سوچ سے ہٹ کر آزادانہ اور بالغ دماغ سے سوچیں تو!!) اور یہ کام برطانیہ 37 ایسے ممالک کی دولت مشترکہ بنا کر آج بھی کر رہا ہے جنہیں وہ اپنی آزاد کردہ کالونیاں کہتا ہے۔

کیا آج کے چین وغیرہ نے انگریز کی حکومت کے بغیر جیسے ترقی کی ہے ویسے متحدہ ہندوستان نہ کر سکتا تھا؟ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ انگریز ہمارے اجداد کی دولت نہ لوٹتا تو شاید ہم چین اور روس سے بہت پہلے ترقی یافتہ ہو چکے ہوتے۔

عرض کر دوں کہ یہی سوال ایک سنجیدہ شکل میں میرے 1984ء یعنی 38 برس قبل کے سی ایس ایس کے امتحان میں بھی آیا تھا جسے guess کرتے ہوئے ہم نے تب بھی خوب تیاری کر رکھی

تھی۔ اور مجھے خوشی ہے کہ میرے دیئے گئے جواب کی من و عمل تصویر آج دنیا کے سامنے آشکارہ ہو رہی ہے۔ لیکن ساتھ ہی افسوس بھی ہو رہا ہے کہ آج بھی آپ جیسے مشاہیر تاریخ کا مطالعہ کرنے کہ بجائے جاہل عوام کو مزید الجھن میں ڈال رہے ہیں۔

میری صرف ایک اور گذارش ہے کہ میرے تجزیے کو دل پر لینے کی بجائے ایک بالغ نظر سماجی ماہر کے طور پر دوبارہ تاریخ کا مطالعہ کریں اور 1720ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے متحدہ ہندوستان میں داخل ہونے کے مقاصد سے لے کر پچھلے تین سو برس پر محیط حقائق کھنگالیں اور پھر میرے تجزیے پر تنقیدی پوسٹ لے کر آئیں۔ انشاء اللہ میں کھلے دل سے آپ کے کھوجے گئے ان خفیہ حقائق کو قبول کروں گا جو میری نظر سے سہوا" رہ گئے ہوں گے۔ اور پھر مجھے یقین ہے کہ ہم سب فوج، نون لیگ، پی پی اور پی ٹی آئی کے بلیک ہول جیسے چکروں سے بھی باہر آنکلیں گے۔

"مغربی جمہوریت"

کالم میٹھا سچ 564 از ڈاکٹر سلطان محمود

جنوری 2023ء

آزاد خیال

سر انگریز کے آنے کا جو سب سے بڑا فائدہ ہوا بر صغیر کو جمہوریت ملی انگریزوں نے ہی جمہوری سسٹم کو یہاں پہ بویا۔۔۔ سیاسی جماعتوں کو الیکشن لڑنے کی پیشکش کی۔ انگریز نہ آتا تو پورے بر صغیر میں کبھی بھی جمہوریت نہ آتی۔۔ اور اگر جمہوریت نہ آتی تو ترقی بھی نہ آتی۔

ڈاکٹر سلطان:

آزاد خیال بھیا جمہوریت ایک خوبصورت نظام ضرور ہے لیکن اس کا کسی قوم کی ترقی سے براہ راست کیا تعلق ہے؟ ہم مغرب کی نقالی میں جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں جبکہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے ہاں شرح خواندگی بہت زیادہ ہے۔ ان پڑھ یا ہم جیسے نیم خواندہ معاشروں میں اگر کہیں جمہوریت کامیاب ہے تو مجھے چن چن کر مثالیں دیجئے۔ مغربی جمہوریت کی چالاکی یہ ہے کہ اس نے صدارتی طرز حکومت کو بھی اپنے اندر سمونے کی کوشش کی ہے جو در حقیقت اسلامی خلافت کا چربہ ہے۔ حضرت قائداعظم نے بھی اپنے اولین خطبات میں جمہوریت کی اس سخت شکل کی وکالت کی

تھی جس کی وجہ انہوں نے نیم خواندگی کو قرار دیا تھا۔ اور حضرت علامہ اقبال نے تو مغربی جمہوریت کے کل نظام کو ہی یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ

جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں۔۔۔

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔۔۔

مغربی جمہوریت میں گنتی کی اہمیت ہے اخلاقیات کی نہیں۔ اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ہم جنس پرستی ہے۔ اس وقت امریکہ، سکینڈے نیوین یورپ، وسطی یورپ اور اب تو کچھ ایشیائی ممالک کی مصنوعی جمہوریت میں بھی ہم جنس پرستی کو جمہوریت ہی کے ذریعے رائج کیا جا رہا ہے۔ سب سے انوکھی جمہوریت پاکستان کی ہے جس کا چہرہ پارلیمنٹ مگر اس پر جپھا اسٹیبلشمنٹ کا ہے۔ برصغیر میں جس جمہوریت کا ذکر آپ نے کیا ہے ذرا بھارت اور بنگلہ دیش کو میڈیا کی عینک سے دیکھنے کی بجائے اندر گھس کر دیکھیں تو بتائیں کہ کیا مودی ایک سقہ بند آمرانہ، دہشت گردانہ و فرقہ ورانہ تعصب سے ابھر کر سامنے نہیں آیا اور آج بھارت کو دنیا کی پانچویں بڑی معیشت بنا گیا ہے حالانکہ اسی شخص پر ایک دوسرے جمہوری ملک امریکہ نے دہائیوں ویزے کی پابندیاں لگائے رکھیں۔ بنگالی برصغیر کی سب سے خواندہ طاقت تھے انہیں جمہوریت راس آنی ہی آنی تھی چاہے مغربی ہو یا اسلامی یا کوئی آمرانہ طرز کی جمہوریت۔

آپ جس جمہوریت کو قابل تعریف گردانتے ہیں وہ محض سنی سنائی اور ففتھ جنریشن میڈیا وار کا شاخسانہ ہے۔ گورا مغرب صرف اپنی قوم سے سچ بولتا ہیں مگر باقی ساری دنیا میں جھوٹ اور منافقت

کا درس دیتا ہے۔ ان کی جمہوریت میں یہ کیسی انسانیت ہے کہ ایک یہودی اور فلسطینی برابر حقوق نہیں رکھتے۔ کالا افریقہ آج بھی گورے کے ہم پلہ نہیں۔ اوبامہ کی مثال مت لیجئے وہ امریکہ کے گورے نے دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے اصلی غلام کو دکھاوے کی سیاست کی مثال بنا کر پیش کیا۔ اور پھر فوراً بعد گورے ٹرمپ نے حساب بھی برابر کر کے دکھا دیا۔ اگر ان کی جمہوریت واقعی سچی جمہوریت ہے تو امریکہ کی 52 فیصد عورتیں کسی عورت کو صدر کیوں نہیں لا سکیں؟ وہی مغربی جمہوریت آج بھی برصغیر کے لٹیروں کی اپنے ہاں ناجائز دولت لے کر آنے پر پابندی نہیں لگاتی اور ہمارے ملکوں کے بے ایمان لٹیرے ہمیشہ وہیں کیوں پناہ گزین ہوتے ہیں؟ اسی جمہوریت نے انڈونیشیا میں عیسائیت کی بنیاد پر مشرقی تیمور کو دنوں میں آزادی دلا دی لیکن اپنے اندر آئرلینڈ کو وہ حقوق آج بھی دینے کو تیار نہیں۔ مجھے ایسی بیشمار مثالیں ازبر ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لئے علامہ کی ہی مغربی جمہوریت کی ایک اور تعریف پیش کرتا ہوں:

کیا تم نے دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام۔۔۔

چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر۔۔۔

ایک سوال میرا پاکستانی جمہوریت کے بارے میں آپ سے بھی ہے۔ پچھلے پچھتر برس سے جتنی سیاسی جماعتیں برسر اقتدار رہیں ان جماعتوں نے سب سے پہلے اپنے اندر جمہوریت کیوں نافذ نہیں کی بشمول تحریک انصاف کے؟ اور جس جماعت اسلامی میں حقیقی جمہوریت موجود ہے اسے کبھی ووٹ نہیں دیا؟ کیوں؟ اگر ہم موروثی جمہوریت کو بہتر سمجھتے ہیں اور تسلیم کر کے ووٹ دیتے ہیں تو پھر ہم سے زیادہ منافق عبداللہ بن ابی بھی نہیں ہو سکتا۔ ارے بھائی جمہوریت اگر کسی اصول کا نام

ہے تو پھر ہم سے ہندو بازی لے گیا ہے جہاں برہمن ششی تھرووور دلت پانڈے سے کانگریس کی صدارت نہ چھین سکا اور نہرو خاندان نے از خود کانگریس کو موروثی سیاست سے پاک کرنے میں مدد دی۔

حضور جمہوریت کو ہم بھی پسند کرتے ہیں اور آپ بھی ضرور پسند کیجئے لیکن قومی ترقی کے لئے، لوٹ مار کے لئے نہیں۔ ہماری پروپیگنڈے سے بلا سوچے سمجھے جمہوریت جمہوریت کی رٹ سے تو بیشمار بہتر چینی وروسی آمریت ہے جو نہ چاہتے ہوئے بھی قرآنی قانون پر مبنی ہے۔

غور کریں گے تو خوش نہ رہ سکیں گے ورنہ وہی مانیں گے جو میں نے عرض کر دیا ہے۔

"ہماری سماجی ذمہ داریاں"

کالم میٹھا سچ 565 از ڈاکٹر سلطان محمود

جنوری 2023ء

ترقی یافتہ اقوام نے جس زینے پر چڑھ کر پائیداری حاصل کی ہے اسے اب عالمی سطح پر اس ہزار ہیئے کی ترقیاتی منازل MDGs کے نام سے بدل کر پائیدار ترقیاتی منازل SDGs رکھ دیا گیا۔ ایک اہم ویبینار میں ماہرین نے ان منازل کو یا کارپوریٹ سوشل ریسپانسبلیٹی یعنی کارپوریشنز کی سماجی ذمہ داریوں پر بھرپور CSR ہماری حاصل کرنے کے لئے روشنی ڈالی گئی۔ آج سے بیسیوں برس قبل ان اسباق کو سیکھنے کی خاطر ہمیں لاکھوں روپے خرچ کر کے یورپ و امریکہ کے اہم ان اسباق تعلیمی و تربیتی اداروں کا مہینوں پر محیط مشکل سفر کرنا پڑتا تھا لیکن جریدہ ٹرائیبیون مبارکباد کا حقدار ہے جس کے تعاون سے ان ماہرین نے ہمارا وہ والا پیسہ اور وقت بچایا ہے اور بڑی تفصیل سے آج کے دن تک اپنی کارپوریشنز کے حاصل شدہ تجربات کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں گھر بیٹھے محض پون گھنٹے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔

ہے کوئی ہدایت پانے والا؟ ہے کوئی حضور اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ دعا "اے اللہ میری دنیا خوبصورت کر دے اور میری آخرت بھ سنوار دے اور مجھے جہنم کی آگ سے بچا" کے مصداق اپنی دنیا بہتر کر کے ایک اچھے انداز میں اللہ کے حضور پیش ہونے والا؟

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے بلکہ یاران انگریزی داں کے لئے۔

"خونی واورولا"

کالم میٹھا سچ 566 از ڈاکٹر سلطان محمود

20 جنوری 2023ء

ڈاکٹر صاحب کبھی بیوروکریسی کی کامیابیوں کی داستان بھی سنایا کرو۔ ہر وقت سیاست دان ہی تختہ مشق کیوں؟

ڈاکٹر سلطان:

وڑائچ صاحب سیاستدان کو اس لئے کوسنا بنتا ہے کہ اس کی سہولت کاری کے بغیر ملک لوٹا نہیں جا سکتا۔ بیوروکریٹ عوام سے ووٹ لے کر جمہوریت کے نام پر منتخب نہیں ہوتا اور اس طرح وہ عوام کا براہ راست استحصال نہیں کر سکتا جب تک کہ اسے ایک کرپٹ فرنٹ مین سیاستدان کی شکل میں میسر نہیں آجاتا۔ وہ پھر اس کرپٹ سیاستدان کو اپنا سہولت کار بنا کر بے شعور عوام سے ووٹ چھینتا ہے اور ازاں بعد دونوں مل کر کرپٹ جج اور ضمیر فروش صحافی جیسی دو مزید طاقتوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک خونی شکنجہ ترتیب دے کر ملکی دولت کے گرد کس لیتے ہیں۔ لہٰذا اس شیطانی جال میں جو کردار سب سے زیادہ لعنتیں سمیٹنے کا حقدار ہے وہ سیاستدان ہی ہے۔ کیونکہ یہ واحد کردار ہے جو اگر اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ نہ جڑے تو یہ سارے کا سارا شیطانی گھن چکر اس پستول کی مانند بیکار ہو کر رہ

جائے جس کا ٹریگر نہ ہو۔ بھٹو، زرداری، شریف اور فضلو جیسے خاندان ٹریگر کا کام کرنے کے لئے اپنی حرام کی نسلیں تک اس "خونی واورولے" کا حصہ بنا دیتی ہیں بلکہ صحافی و جج سمیت بیوروکریٹس سے رشتے داریاں کر کے ایک مستقل عذاب بن کر پھر نہایت ڈھٹائی اور بے غیرتی سے اسی عوام کے سامنے ووٹ کی جھولی پھیلا کر جب نکلیں تو ہم ان خنزیر سہولت کاروں کو نہ کوسیں تو کیا محض اپنی قسمت کا ہی ماتم کرتے رہیں؟

"کھیرا، کھوتی ریڑھی اور شاعر"

کالم میٹھا سچ 567 از ڈاکٹر سلطان محمود

21 جنوری 2023ء

ہمارے فیس بک فرینڈ لکھتے ہی کہ ڈاکٹر صاحب آپ تو شاعروں کو تخیلاتی مخلوق سمجھتے ہیں۔ بھلا کیوں؟ ہم نے جواباً عرض کیا کہ جی بالکل یہ شاعر انسانوں کا بیکار ترین گروہ ہوتا ہے، انتہائی بے عمل اور لفظوں سے پہاڑ توڑنے والا۔ ان کی مثال کھیرے جیسی ہے جو نہ سبزی ہے نہ پھل، نہ اس میں کوئی غذائیت ہے بلکہ محض پانی سے لبالب بھرا ایک لوٹا ہے۔ لیکن میرے جیسے متحرک اور عملی انسان کو بھی یہ شاعری بعض اوقات بہت متاثر کرتی ہے کیونکہ بیشمار حرکت بلکہ حرکات کے بیچوں بیچ شاعری واحد صنف ہے جو تھوڑی دیر کے لئے تھکاوٹ دور کرنے کا باعث بنتی ہے۔ جیسے بیشمار مرغن اور میٹھے نمکین پکوانوں کے بیچ کھیرا کھانا اچھا لگتا ہے۔

شاعری چونکہ تخیل کے گھوڑے پر بیٹھ کے اڑی اڑی پھرتی ہے اس لئے عمل کے وقت اس کی حالت یوں ہو جاتی ہے جیسے ٹھوکر لگنے سے گھوڑے کی تو ہونی ہی ہوتی ہے لیکن اس کے سوار کا پھر منہ متھا بھی نظر نہیں آتا۔ شاعر کہتا ہے اے محبوب (حقیقی یا مجازی) تیری اک دید کے بدلے میں دنیا وار دوں۔ اگر اسی لمحے اس کا محبوب درشن کرانے آن حاضر ہو اور دنیا وار دینے کا مطالبہ کر

دے تو عاشق کو فوراً پیچش لگ جاتے ہیں اور وٹ پڑنے کے باعث اسے محبوب ویسے ہی نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔

کیا کوئی عاشق حضرت بلال حبشی جیسا بھی ہوا ہے جو حضور کی وفات کے بعد ان کی غیر حاضری برداشت نہ کر سکنے کے باعث اپنے وطن حبشہ چلے گئے۔ بہت برسوں بعد شاہکار رسالت خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ نے ضد کر کے بلایا اور ایک بار پھر اذان دینے کی فرمائش کی۔ جب اشہد انا محمد کے الفاظ کہے اور دائیں گھوم کر نبی کا چہرہ نظر نہ آیا تو وہیں وفات پا گئے۔ یہ سب تبھی ممکن ہوا کیونکہ بلال حبشی کا عشق شاعرانہ نہیں تھا بلکہ حقیقی تھا۔

میرے نزدیک موثر ترین اصلاحی شاعر حضرت علامہ اقبال تھے لیکن وہ بھی محض زبان سے ستاروں پر کمند ڈالا کرتے تھے اور سردیوں میں نہانا انہیں بھی ہماری طرح عذاب لگتا تھا۔ استاد غالب اقبال ہی کی طرح زبانی فلسفے کے بھی امام تھے لیکن شاعرانہ نحوست کے باعث بادشاہ سے وظیفہ لینے کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے تاکہ دو وقت کی روٹی کے ساتھ تھوڑی سی شیشے کی پری بھی مل جایا کرے۔ فیض و فراز بھی محض فکری بغاوت کے سرخیل تھے اگر ایوب فیض کو گرفتار نہ کرتا تو عملی بغاوت ان کے حصے میں بھی نہ آتی اور ان کے ہوا میں چھوڑے گئے تیر عملی طور پر روسی روبل کے ترازو میں نہ تلتے۔

امام عالی مقام حضرت حسینؓ کو غالباً مسلمانوں میں نبی عالم صلعم کے بعد معتقدین کی جانب سے سب سے شدت کی محبت میسر آئی ہے لیکن میں نے آج تک مرثیے لکھنے والے کسی شیعہ شاعر کو پانی بچاتے نہیں دیکھا اور نہ پیاس سے مرتے سنا ہے۔ انسانوں میں حسین ترین مرد حضرت یوسف کے

حسن سے متاثر ہو کر عورتیں اپنی انگلیاں کاٹتی پائیں گئیں لیکن ان کی شان بیان کرنے والی زلیخا کو ان کے غم حقیقی میں نزلہ زکام ہوتے بھی کہیں نہیں پڑھا۔ تاریخ کی حسین ترین عورت قلوپطرہ کے عشاق شعراء آپس میں لڑ جھگڑ کر مرتے تو پڑھے ہیں لیکن یہ کہیں نہیں پڑھا کہ اس سے جدائی کے مطالبے پر اس کے کسی خاوند کو کبھی پیٹ میں درد ہی ہو گیا ہو یا غم سے شوگر ہو گئی ہو۔

دنیا مجازی جذبات و احساسات کے شہنشاہ شاعر مصطفیٰ زیدی کو تو جانتی ہے کہ جو کسی دشمنی کی بھینٹ چڑھ کر مرحوم ہو گئے لیکن پتھروں پر چل کر آنے والی محبوبہ کس کھوہ میں جا گری؟ کسی کو نہیں پتہ یا پھر ایسے ہی جذبات و احساسات کی ملکہ پروین شاکر کی خوشبو سے تنگ آ کر اس کے ڈاکٹر خاوند کو بالآخر کسی ٹرک والے کی مدد سے اناء کی بدبو جھیلنی پڑی جو لفاظی جھاڑنے کی بجائے سگار کی راکھ جھاڑ کر چپکا ہو بیٹھا ہے۔ ایسے ہوتے ہیں عملی لوگ۔

کسی میرے جیسے شاعری سے دل جلے جعلی شاعر نے تو ایک بار اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کر ڈالا کہ وہ شاعروں سے جہنم کو بھر دے یا کم از کم انہیں دنیا سے تو اٹھا لے تا کہ یہ سموگ میں اضافے کا باعث نہ بنیں لیکن بد قسمتی سے وہ خود بھی عین عالم شباب میں نیم عالم دیوانگی میں جکڑا گیا اور اپنا ہی دیوان مرتب کر تا رنگے ہاتھوں پکڑا گیا حالانکہ اس حرکت پر سیالکوٹ میں ایک اچھی شکل والے مردار شاعر نے اس کی اچھی خاصی مٹی پلید بھی کر دی تھی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خوش شکل اور خوش سخن شاعر کے دل کی تاریکی محض ان کے قبیح الفاظ ہی سے عیاں ہو سکتی ہے۔

بہر حال اللہ کی حکمتیں تو وہ خود ہی جانتا ہو گا۔ اسی کو پتہ ہو گا کہ اس نے سبزیوں اور پھلوں کی ٹرانس جینڈر نسل یعنی کھیرے کو کیوں پیدا کیا یا اپنے اور انسان کے جوائنٹ وینچر کی شاہکار ٹرانس

جینڈر کھوتی ریڑھی کو مل کر آدھا آدھا کیوں پیدا کیا یا دنیا کو خود لذتی پر مجبور کرنے والی شاعر قسم کی ٹرانس جینڈر مخلوق کو کیوں پنپنے دیا، یہ سب وہی جانے لیکن ہمیں تو آج تک کھیرے، کھوتی ریڑھی اور شاعر کی سمجھ نہیں آپائی۔

"خوش قسمت سات فیصد"

کالم میٹھا سچ 568 از ڈاکٹر سلطان محمود

22 جنوری 2023ء

واقعی اگر آپ کی عمر 65 سال ہو گئی ہے، کسی خطرناک بیماری کا شکار نہیں ہیں، اپنا گھر ہے، ضرورت کا پورا کھانا ملتا ہے، صاف پانی پینے کو میسر ہے، اپنا موبائل فون ہے، نیٹ استعمال کر سکتے ہیں، کالج کی سطح تک تعلیم حاصل کر چکے ہیں، تو یقین کریں آپ پوری دنیا کی محض 7 فیصد ایک چھوٹی سی کیٹیگری کے خوش قسمت انسان ہیں۔

اب اللہ کا شکر ادا کریں۔ زندگی کے ہر لمحے سے لطف اندوز ہوں کیونکہ آپ دنیا کے 92 فیصد لوگوں کی طرح 64 سال کی عمر سے قبل موت کے منہ میں نہیں گئے۔ آپ پہلے ہی سے دنیا کی اکثریت سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔ لہٰذا اپنی صحت کا خود خیال رکھیں کیونکہ کوئی دوسرا آپ کا یہ خیال نہیں رکھ سکتا۔

"جزئیات سے مل کر ہی کل بنتا ہے"

کالم میٹھا سچ 569 از ڈاکٹر سلطان محمود

2 فروری 2023ء

ہمارے دانشور دوست میاں شکیل صاحب کا کہنا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی سوچ کے پیرامیٹرز کو تبدیل کر لیں۔ فرماتے ہیں کہ میں باقاعدگی سے اپنی سائیکل پر لاہور کے ایک پارک میں جاگنگ کے لیے جاتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ سینکڑوں لوگ اپنی کاروں پر آتے ہیں، انہیں وہیں پارک کرتے ہیں اور جاگنگ ٹریک پر بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ چونکہ وہ انتہائی قریبی رہائشی علاقوں سے آتے ہیں اور صرف دوڑنے کے مقصد سے آتے ہیں تو پھر وہ ماحولیات، پیسے اور اپنی صحت کی حفاظت کے لیے سائیکل پر کیوں نہیں آتے؟ کیا یہ صرف ایک ذہنیت ہے اور اسے کیسے بدلا جا سکتا ہے؟

چونکہ ہمیں دانشوروں سے الجھنے کی عادت سی ہو گئی ہے لہٰذا ہم نے عرض کیا کہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ کلی عقل (holistic approach) کی بجائے "عقل کل" بن جائیں اور کوئی نصیحت یا علاج تو یاد کر کے اس پر عمل کر لیں لیکن ہم اس کی جزئیات اور دیگر لوازمات پر توجہ نہیں کرتے۔ یہ تربیت تو والدین و نظام تعلیم کرتا ہے جو یہاں موجود نہیں بلکہ اجتماعی طور پر دنیا میں شاید کہیں بھی موجود نہیں۔ مثلاً ہم نماز کے حکم پر تو عمل کرتے ہوئے اس کی ادائیگی کر دیتے ہیں لیکن ان

جملہ لوازمات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کی تربیت کرنے کے لئے اس عبادت کو لازم ٹھہرایا گیا تھا یعنی پیٹ میں حلال کا لقمہ بھی تھا کہ نہیں یا اس نماز سے قبل یا مابعد جھوٹ یا دھوکہ دہی کا شکار تو نہیں ہوئے تھے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ دودھ پینا چاہئے کیونکہ اس سے کیلشیئم ملتی ہے لیکن اسی دودھ میں پتی یا کافی ڈال کر ہم اسی کیلشیئم کی bioavailability مفقود کر کے صحت کے کلی لوازمے کو ضائع کر دیتے ہیں۔ تیسری مثال صفائی کی ہے۔ ہم گھر تو صاف رکھتے ہیں لیکن کوڑے کو جلانے کے نقصانات کو صفائی سے نہیں جوڑ پاتے۔ چوتھی مثال آپ نے دے دی کہ ایک ہاتھ تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھر لی مگر دوسرے ہاتھ مجموعی ہوا کو گاڑی کے پٹرول سے آلودہ کر کے پھر اسی میں سانس لیتے چلے گئے۔

ایسی ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن ہمارے پاس ادھورے علم کو مکمل کرنے کا وقت نہیں ہوتا اور جو معاشرے کو کلی عقل دینے کی کوشش یا وضاحت کرے اسے بنیاد پرست یا فنڈامینٹلسٹ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ المیہ ساری دنیا کے انسانوں کا ہے کہ فوائد کو بڑھاتے چلے جانے کی کوشش میں اسی عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نقصانات کو نظر انداز کرتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر تمام "بنیاد پرستوں" کو ایک نہ ایک دن باہم بیٹھ کر اس عملی عدم توازن کو درست کرنے کے لئے جیسے قوانین بنانے پڑتے ہیں۔MDG17

"چار منحوس اور چار بد معاش"

کالم میٹھا سچ 570 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 فروری 2023ء

ہر انسان کے مرنے پر جو کہا جاتا ہے وہی میں بھی مشرف کی موت پر کہوں گا۔۔۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

لیکن پاکستانی حکومتوں میں چار فوجی کردار نا قابل معافی سمجھے جانے چاہئیں یعنی ایوب، یحیٰی، ضیاء اور مشرف اور ان ہی کی آرڈیننس فیکٹری میں ڈھلے چار بد معاش بھی یعنی بھٹو، زرداری، نواز شریف اور عمران۔ یہ آٹھوں کچھ اچھا کئے بغیر قوم کے 65 سال کھا گئے۔

ان کے سیاسی و آمرانہ کردار سے تحریک پاکستان بھی داغدار ہو گئی اور شک کیا جانے لگا کہ پاکستان امریکی سازش سے وجود میں آیا تھا شاید، کیونکہ یہ چاروں منحوس ہو بہو امریکی ڈکٹیشن پر چلتے رہے نیز چاروں بد معاش بھی اسی سمت گامزن رہے۔

اسی منحوس بد معاشیہ کی وجہ سے ملک دولخت ہوا، سیاسی، عدالتی، معاشی، صحافتی اور قومی سلامتی کے ادارے بے حد کمزور ہوئے۔

سب سے بڑھ کر جو المیہ ہوا جس سے دشمن بے حد خوش ہے کہ چاروں منحوسوں کی وجہ سے عام محب وطن شہید اور اگلی سرحدوں پر جان نچھاور کرنے کا عزم لئے واپس آنے والے نوجوان غازی کو بھی گالی کھانی پڑی۔

ان چار منحوسوں نے براہ راست 33 برس اس بدقسمت قوم کے چاٹ لئے اور مستقبل میں ملک کو بھارت، بنگلہ دیش اور افغانستان سے بھی پیچھے کر دیا۔ اور باقی کے 42 سال اپنے چاپلوس بدمعاشوں کے حوالے کر کے ملک کی جڑوں کو ہی کھود ڈالا۔

ان چار منحوس جرنیلوں کے باعث ہی بھٹو، زرداری، نواز شریف اور عمران جیسی سیاسی بدمعاشیہ قوم پر مسلط ہوئی۔ بھٹو نے ملک توڑنے میں منحوسوں کی مدد کی اور صنعت و تعلیم کو قومیا کر سو سال کے لئے ملک کو تابوت میں بند کر کے کیل ٹھونک دیئے۔ زرداری نے بڑی صفائی سے قومی دولت میں سے دس فیصد اپنا ذاتی حصہ الگ کر کے غیر ممالک میں اپنے اکاؤنٹ بھرے، نواز شریف نے دس زرداریوں پر بھاری پڑتے ہوئے قوم کی اگلی چار نسلیں گروی رکھ کر اندرون اور بیرون ملک اپنی جائیدادیں بنائیں اور عمران "فرشتے" نے نجانے کیسے تمام پچھلے عالمی قرضوں کو ڈھائی گنا کر دیا؟

اور آج ملک لہو لہو ہے، عوام بھوک سے نڈھال ہوئی جاتی ہے، ملک توانائی کی وجہ سے بار بار اندھیروں میں ڈوب رہا ہے، دشمن کے نیزے ہماری سرحدوں کو چھو رہے ہیں، تمام بنک دولت سے خالی ہیں، 25 کروڑ آبادی کا ناقابل برداشت بوجھ سسک رہا ہے، آئین دریدہ ہے، اور ہم ایٹم بم

چاٹ رہے ہیں۔ اب بھارت نے ہماری جانب آنے والے جہلم اور چناب دریا بھی واپس کرنے کا نوٹس جاری کر دیا ہے۔

ساڑھے سات لاکھ زرخیز دماغ پچھلے برس ملک چھوڑ گئے اور آٹھ لاکھ قیمتی دماغوں کا سیلاب کناروں کو چھو رہا ہے۔ سبز پاسپورٹ گالی بن گیا ہے اور مسلم عرب بھی خیرات ڈالنے کو تیار نہیں۔ معیشت ڈیفالٹ کر چکی بس تاریخ کا اعلان باقی ہے۔

مگر سب سے عجیب بات کہ چاروں منحوس اور چاروں بدمعاش ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں۔

یہ ساری منفی تصویر مثبت بھی ہو سکتی تھی اگر یہاں کے سارے منحوس، اداروں کے اوپر بیٹھنے کی بجائے پیچھے کھڑے ہوتے جیسے ملائیشیا، چین، ترکی، بھارت اور بنگلہ دیش جیسے "بلڈی سویلینز" نے کیا۔

لہٰذا کس کس مرحوم کے لئے دعائے خیر کروں، کس کس بلبل کے نالے سنوں، ہمہ تن گوش رہوں یا پھر کسی مردار کی طرح خاموش رہوں۔

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں۔۔۔
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے۔۔۔!!

Dilshad Hussain, Sir thanks to iterate.

1. If 27 billions paid for previous debt in terms of interest and principal amount then the debt burden should be decreased but it increased. How?

2. According to your breakup, 12 billions were used for development. May I ask the names of development projects initiated by IK government?

3. Total debt at the end of NS era was 27 billions which is now 62.7 billions, meaning thereby 35 billions added. According to you IK paid all 27 previous. If so, why it is now 62.7 billions? If paid previous, now it should be around 40-45 billions. How comes, please enlighten me?

4. While according to Google, IK government took 52 billions in 45 months and repaid 36 billions.

.....

PLEASE GO THROUGH GENERAL INFO NOW:

1. How much debt on Pakistan in 2022?
In the fiscal year, 2022-2023, in July-September the debt and liabilities stood at Rs 62.46 trillion which is more than the same period of last fiscal year, accounting for Rs 50.49 trillion. The country's debt rose 24.7 per cent to Rs59. 37 trillion, while total liabilities increased 23 per cent to Rs3. 56 trillion. Google 18-Nov-2022

2. How much debt did Pakistan pay back?
In the prior fiscal year 2022, it repaid $18.7 billion in external principal and interest liabilities. Google 02-Dec-2022

3. Is Pakistan paying its debt?
KARACHI: The country has successfully repaid over one-billion-dollar external debt to international financial institutions on Friday. Although the country is facing a serious crisis of foreign exchange reserves, it is meeting international financial obligations to avoid default. Google 08-Jan-2023

4. Who Does Pakistan owe debt too? Out of the $10 billion, a sum of $8 billion is owed to five countries – Japan $4.6 billion, France $1.6 billion, Germany $1.3 billion, the $1.1 billion and South Korea $415 million, according to the documents. Google 24-Sept-2022

5. Who are Pakistan's biggest creditors? Pakistan's biggest creditor, China who has invested more than $60 billion in Gwadar, is growing exasperated with low returns on its investment, as evidenced by recent disagreements between the two countries over interest rates, leading Beijing to postpone all CPEC meetings with Islamabad. Google 18-Nov-2022

6. Why Pakistan has negative balance of payment? Total imports of Pakistan have increased by 450٪ in absolute terms and by 252٪ on per capita basis. This is the major problem causing balance of payments crisis. In the next article, we will try and understand the evolution of exports and remittances. Google15-Aug-2022۔

دلشاد حسین، سر، دوبارہ وضاحت کرنے کا شکریہ۔

1۔ اگر پچھلے قرضوں کی ادائیگی کے لئے 27 ارب روپے سود اور اصل رقم کی صورت میں ادا کیے گئے تو قرض کا بوجھ کم ہونا چاہئے تھا، لیکن یہ بڑھ گیا۔ کیسے؟

2۔ آپ کے بریک اپ کے مطابق، 12 ارب روپے ترقی کے لئے استعمال کیے گئے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ عمران خان کی حکومت کے دوران کون سے ترقیاتی منصوبے شروع کیے گئے؟

3۔ نواز شریف کے دور کے اختتام پر کل قرض 27 ارب تھا جو اب 62.7 ارب ہے، اس کا مطلب ہے کہ 35 ارب کا اضافہ ہوا۔ آپ کے مطابق عمران خان نے پچھلے 27 ارب کی ادائیگی کی۔ اگر ایسا ہے تو اب یہ 62.7 ارب کیوں ہے؟ اگر پچھلا قرض ادا کیا گیا ہے، تو یہ 40-45 ارب کے قریب ہونا چاہیے۔ براہ کرم وضاحت کریں؟

4۔ جبکہ گوگل کے مطابق، عمران خان کی حکومت نے 45 مہینوں میں 52 ارب کا قرضہ لیا اور 36 ارب ادا کیا۔

اب عمومی معلومات کو دیکھیں:

1۔ 2022 میں پاکستان پر کتنا قرض تھا؟

مالی سال 2022-2023 میں، جولائی سے ستمبر کے دوران قرض اور واجبات 62.46 ٹریلین روپے تھے، جو پچھلے مالی سال کے اسی عرصے سے زیادہ ہیں، جس کا حساب 50.49 ٹریلین روپے بنتا ہے۔ ملک کا قرض 24.7 فیصد بڑھ کر 59.37 ٹریلین روپے ہو گیا، جبکہ کل واجبات میں 23 فیصد اضافہ ہوا اور یہ 3.56 ٹریلین تک پہنچ گیا۔

(گوگل 18 نومبر 2022)

2۔ پاکستان نے کتنا قرض واپس کیا؟

گزشتہ مالی سال 2022 میں، پاکستان نے بیرونی اصل اور سود کی واجبات میں 18.7 ارب ڈالر ادا کیے۔

(گوگل 2 دسمبر)

3۔ کیا پاکستان اپنا قرض ادا کر رہا ہے؟

کراچی: ملک نے جمعہ کے روز بین الاقوامی مالیاتی اداروں کو ایک ارب ڈالر سے زیادہ بیرونی قرض کی ادائیگی کامیابی سے کر دی ہے۔ حالانکہ ملک غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر کے شدید بحران کا سامنا کر رہا ہے، لیکن ڈیفالٹ سے بچنے کے لئے بین الاقوامی مالیاتی واجبات کو پورا کر رہا ہے۔

(گوگل 8 جنوری 2023)

4۔ پاکستان پر کن ممالک کا قرض ہے؟

دستاویزات کے مطابق، 10 ارب ڈالر میں سے 8 ارب ڈالر پانچ ممالک کے قرض دار ہیں– جاپان 4.6 ارب ڈالر، فرانس 1.6 ارب ڈالر، جرمنی 1.3 ارب ڈالر، ایک ارب ڈالر اور جنوبی کوریا 415 ملین ڈالر۔ (گوگل 24 ستمبر 2022)

5۔ پاکستان کا سب سے بڑا قرض دہندہ کون ہے؟

پاکستان کا سب سے بڑا قرض دہندہ چین ہے، جس نے گوادر میں 60 ارب ڈالر سے زیادہ کی سرمایہ کاری کی ہے، اور اپنے سرمائے پر کم منافع سے مایوس ہو رہا ہے، جیسا کہ دونوں ممالک کے درمیان حالیہ سود کی شرحوں کے تنازعات سے ظاہر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بیجنگ نے اسلام آباد کے ساتھ تمام سی پیک اجلاسوں کو ملتوی کر دیا ہے۔ (گوگل 18 نومبر 2022)

6۔ پاکستان کے پاس منفی ادائیگیوں کا توازن کیوں ہے؟

پاکستان کی کل درآمدات میں 450٪ اضافے کے ساتھ فی کس بنیاد پر 252 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یہ بنیادی مسئلہ ہے جو ادائیگیوں کے توازن کے بحران کا باعث بن رہا ہے۔ اگلے مضمون میں، ہم برآمدات اور ترسیلات کی ترقی کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

ہماری بدمعاشیہ کی لوٹ مار نے پاکستان کو گھٹنوں کے بل گرا دیا ہے اور اس پر دشمن کی چھپی ہوئی جذباتی خوشی اور اطمینان۔ لیکن افسوس کی بات کہ کوئی سیاسی و فوجی ادارہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔ اب تو متحدہ عرب امارات بھی پاکستانیوں کو ویزے نہیں دے رہا۔

ہم اس حال پر کیسے پہنچے؟ ملاحظہ کیجئے میرا کل کا لکھا کالم میٹھا سچ 570 "چار منحوس اور چار بدمعاش"۔

گوگل 15 اگست 2022

"اچھی بیویاں"

کالم میٹھا نمبر 571 از ڈاکٹر سلطان محمود

14 فروری 2023ء

جی محترمہ درست پوسٹ لگائی ہے آپ نے۔ ذرا بیویوں کی بات بھی ہو جائے۔ یہ بہت مستقل اور دیرپا میٹریل کی بنی ہوتی ہیں۔ یہ جیسی اماں حوا کے وقت تھیں ویسی کی ویسی ہی اب بھی ہیں۔ چونکہ اماں حوا کی نند، بہو یا ساس وغیرہ نہیں تھیں اس لئے ان رشتوں کو برداشت کرنے کی پریکٹس نہ ہونے کے باعث آج بھی بیویوں میں کوئی ایسا پرزہ فٹ نہیں کیا جا سکا جو ان کے اندر دوسری عورت کو برداشت کرنے کا حوصلہ اور جذبہ پیدا کر سکے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک اچھے سے اچھی بیوی کو سب سے زیادہ پیار اپنے بچوں سے ہوتا ہے لیکن اگر اس کے دل و دماغ میں کوئی کیلکولیٹر لگا کر ناپا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ اپنی امی سے محبت کو باقی سب محبتوں سے کئی ملین سے ضرب دیتی ہیں، بہنوں اور بھائیوں کو ہزاروں سے لیکن آخر میں اپنے ابا کو بھی محض دو تین سے بادل نخواستہ ضرب دے لیتی ہے کیونکہ اس نے اماں کو ابا میں ہمیشہ کیڑے نکالتے ہی دیکھا ہوتا ہے۔ یہ بھی غنیمت ہوتا اگر ایسی ہی ضربیں وہ خاوند کو بھی دیتی لیکن وہاں تو وہ ضربیں لگانے پر خوش ہوتی ہے یا پھر لگوانے پر سکون محسوس کرتی ہے۔

عورت بنیادی طور پر ویسے مرد سے ہی محبت کرتی ہے بشرطیکہ وہ بھائی ہو جو ہیرو بن سکے، باپ ہو جو اعلی درجے کا نگران بن سکتا ہو اور خاوند بھی چل جاتا ہے چند سال جب تک کہ اس کا بیٹا بڑا نہ ہو جائے۔

عورت صرف ایک ہی ہستی کی دشمن ہے اور وہ ہے کوئی دوسری عورت، ہاں ماں بہن کو نکال کر۔ اگر عورت کے دل میں دوسری عورت سے محبت کی چپ ٹرانسپلانٹ بھی کر دی جائے تو تب تک درست کام کرے گی جب تک کوئی دوسری عورت سامنے نہ آجائے، خاص طور پر سوتن یا نند۔

چونکہ عورت کو ماں پیاری ہوتی ہے اس لئے ماموں بھی پیارا لگتا ہے چاہے بے خبری میں کھڈوں سے بھرے بے جان سے سیارے چاند کو ہی غلطی سے چندا ماموں کہہ دے۔

ہاں ایک بات ہے کہ مردوں سے اگر عورت پیار کرے گی بھی تو بڑی مشکل سے ہی کرے گی اور وہ بھی ایسے کہ بیٹے کو بھائی پر فوقیت دے دے گی مگر شرط ہے کہ صرف اس وقت تک ان دونوں کو ہیرو سمجھے گی جب تک کہ یہ دنوں بیویوں والے نہ بن جائیں۔ بلکہ اس کے بعد یہ بھائی اور بیٹے کو کوسنے نہیں دے گی لیکن اگر دے گی بھی تو ان کی بیویوں کا نام لے لے کے۔

"چاند پر تھوک"

کالم میٹھا سچ 572 از ڈاکٹر سلطان محمود

15 فروری 2023ء

پروفیسر ہود بھائی نے اپنے پروگرام "بلیک ہول" میں خود ساختہ پولٹیکل سائنٹسٹ ڈاکٹر اشتیاق احمد کی کتاب "جناح کی کامیابیاں اور ناکامیاں" کے تیسرے پروگرام میں دو گھنٹے کا ایک پروگرام نشر کر کے قائداعظم کو بھٹو، نواز شریف اور زرداری کی سطح پر اتارنے کی اپنی سی کوشش کر ڈالی ہے۔ مکمل پروگرام سننے اور سمجھنے کے بعد میرا خیال ہے ڈاکٹر اشتیاق کو پاکستان میں موجود ہندو لابی نے فنڈ کیا ہے۔

گو کہ ساری گفتگو موجود دستاویزات کی بنیاد پر کی گئی ہے لیکن ان دستاویزات سے قائد بارے منفی حقائق کو ہی صرف ہائی لائٹ کیا گیا ہے۔ صرف ایک یا دو مثبت باتیں بھی بار بار بتائی گئی ہیں لیکن وہ صرف گفتگو کو غیر جانبدار ثابت کرنے کے لئے۔

تاریخ نویسی ایسی ظالم چیز ہے کہ تاریخ نویس کو اپنی پسند ناپسند کو غذا مہیا کرنے کے لئے مواد کہیں نہ کہیں سے مل ہی جاتا ہے۔ لیکن میں ڈاکٹر اشتیاق کو سیاسی سائنسدان نہیں سمجھتا کیونکہ انہوں نے ڈنڈی مار کر اپنے آپ کو ایک اچھے سائنسدان کی طرح غیر جانبدار نہیں رہنے دیا۔

قائد بارے منفی واقعات کا ان کی ذات سے تعلق ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ قائد سور کھاتے تھے اور شراب پیتے تھے یا انہوں نے حیدرآباد اور جوناگڑھ میں ذاتی سرمایہ کاری کر رکھی تھی نیز بمبئی میں ذاتی رہائش گاہ کے کرایہ کا مطالبہ نہرو سے کیا تھا، تو ایسی باتیں دنیا کے کسی بھی کامیاب و ناکام رہنماء بارے تحقیق کر لیں تو کم و بیش ایسی ہی نکلیں گی۔ ایسی باتیں صرف دو وجوہات کی بنیاد پر اچھالی جاتی ہیں۔ اول، دشمن سے پیسہ لے کر بڑے رہنماء کا قد جان بوجھ کے چھوٹا دکھانا یا پھر محقق کا اپنی کم مائیگی پر پردہ ڈال کر اپنا قد اونچا کرنے کے کوشش کرنا۔

پروفیسر ہودبھائی مذاہب بارے ہمیشہ متنازع رہے ہیں جو شاید پارسی ہونے کے باعث ان کی مجبوری بھی ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان کا بہترین دماغ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن اس پروگرام کو بھارت نواز بنانے پر ان پر دیگر ٹھپے بھی لگ سکتے ہیں جس کا مجھے افسوس رہے گا۔

ڈاکٹر اشتیاق ویسے تو نیوٹرل بنے رہنے اور اپنے آپ کو خود ہی پولیٹیکل سائنٹسٹ کہلائے جانے کے تمغے کے بھی دعویدار بنے رہے لیکن انہوں نے اپنی سوچ کے مخالف سوالات پر جو جذباتیت دکھائی ہے وہ کسی اچھے سائنسدان کی چغلی نہیں کھاتی۔

محقق نے قائد پر مختلف مشاہیر کے حوالے دیئے لیکن اصل وزن اکھنڈ بھارت کے دو داعیان کی کتب کو دیا یعنی جسونت سنگھ اور ابوالکلام آزاد۔ ان دونوں کو جہاں تک میں نے پڑھا ہے کوئی بھی بھارتی کانگریس پارٹی کے دیئے گئے اقتدار کے لالچ سے بچ نہیں پایا۔ اس کے علاوہ و نکٹارامان کی

امریکہ وغیرہ کے اخبارات و رسائل کی بنیاد پر تحقیقاتی انگریزی کتاب "پاکستان 1948ء تا 1958ء" کو پڑھنے کے بعد مجھے ڈاکٹر اشتیاق کی کتاب اس بھارتی مفکر سے مختلف نظر نہیں آئی۔

ایک اہم اور دلچسپ نکتہ اور بھی ہے اشتیاق کی کتاب میں۔ باچہ خان اور ڈاکٹر علی خان (ولی خان کے بھائی) گاندھی اور نہرو وغیرہ کی طرز پر روسی اثر میں تھے اور اپنے زمانے میں پاؤں جوڑ کر قائد کی شخصیت مسخ کیا کرتے تھے۔ اشتیاق نے ان کے حرکیات کے زیادہ حوالے دیئے ہیں۔ لیکن ایک بات تسلیم کرنا بھول گئے ہیں کہ ان کی زیر بحث کتاب میں اچھے خاصے مندرجات ولی خان کی کتاب "جناح کے خطوط سفیر امریکہ کے نام" سے لئے گئے ہیں بلکہ انہوں نے اس کتاب کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہ کتاب ولی خان نے لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں بیٹھ کر لکھی تھی غالباً 1974ء میں جس پر نہ صرف پاکستان میں بھٹو دور میں پابندی لگ گئی تھی بلکہ اس کتاب کو راتوں رات سارے پاکستان سے اٹھالیا گیا تھا۔ میں نے یہ کتاب بھی پڑھ رکھی ہے لندن سنٹرل لائبریری میں بیٹھ کر۔ اس کتاب میں ولی خان نے تین باتیں ثابت کی تھیں۔ اول، پاکستان امریکہ کی ضرورت تھی سوویت یونین کو توڑنے کے لئے اس لئے پاکستان امریکہ نے بنوایا اور اس میں برصغیر کے مسلمانوں کا کوئی خاص کردار نہیں تھا۔ دوم قائد اعظم کو ہندوستان توڑنے کے لئے بطور وکیل کرائے پر لیا گیا تھا اور سوم برطانیہ نہ صرف برصغیر کی تقسیم نہیں چاہتا تھا بلکہ ابھی کافی عرصہ اور یہاں رہنا چاہتا تھا لیکن امریکہ نے کمزور برطانیہ کو دونوں کاموں سے روک کر ساری کہانی ہائی جیک کرلی۔ ڈاکٹر اشتیاق نے بھی یہی باتیں لکھی ہیں۔

ایک غیر اہم لیکن قابل ذکر بات اور بھی ہے اس پروگرام میں کہ سامعین چن چن کر قائد مخالف یا بھارت نواز بٹھائے گئے ہیں۔ ان میں سے چار کو میں دو برس قبل کے قیام اسلام آباد کے دوران مل بھی چکا ہوں جن کی باڈی لینگوئج جناح کا نام سنتے ہی ایسی ہو جاتی تھی جیسے مریم کی عمران کا نام سنتے ہو جاتی ہے۔

"پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں"

کالم میٹھا نمبر 573 از ڈاکٹر سلطان محمود

4 مارچ 2023ء

مئی اور جون 2022ء میں بیس برس تک غذا و صحت بارے میرے 234 مضامین قرشی انڈسٹریز کے کثیر الاشاعت ماہانہ مجلے "قومی صحت" میں شائع ہو چکے تھے جس پر نیشنل کونسل فار طب کے صدر جناب حکیم احمد سلیمی صاحب نے مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہوئی ہے۔ سلیمی صاحب کے علاوہ یہ ادارے اور حکیم عمر گوندل صاحب کی محبت ہے کہ عرصہ دراز سے ان کے لئے لکھنا چھوڑ دینے کے باوجود وہ تسلسل سے میرے سابقہ مضامین کو ہی ہر ماہ باقاعدگی سے شائع کرتے چلے جا رہے ہیں حالانکہ وہی سابقہ مضامین حکیم احمد سلیمی صاحب کی نوازش سے مکتبہ دانیال سے "غذائی علاج" کی شکل میں چھپ بھی چکی ہے۔ اس کے لئے میرے پاس انہیں تہنیت پیش کرنے کے لئے مناسب الفاظ بھی موجود نہیں۔

2002ء میں امریکہ سے تیسری پوسٹ ڈاکٹریٹ مکمل کر کے آنے کے بعد میرا قرشی انڈسٹریز سے تعارف ہوا کیونکہ میری رہائش تب چوبرجی پارک میں تھی جہاں اقبال قرشی صاحب کا آبائی گھر بھی واقع ہے۔ مجلہ "قومی صحت" کے ایڈیٹر صاحب سے ملنے کی اولین وجہ یہ بنی تھی کہ میرے دماغ میں ایک حدیث مبارکہ گھومتی رہتی تھی کہ حاصل شدہ علم نافع کو پھیلایا جائے کیونکہ علم کا منبع اللہ کی ذات ہے اور وہی توفیق دیتا ہے کہ اس بے کراں ساحل علم کے موتیوں سے چند ریت

کے ذرے جو میرے حصے میں آئے ہیں ان کو پرنٹ میڈیا کے ذریعے پھیلا دوں۔ دوم میری ترجیح ہمدرد انڈسٹریز کے ماہانہ قومی مجلے "ہمدرد صحت" میں مضامین چھپوانا تھی لیکن وہاں کراچی کے لکھاریوں نے ادھر والوں کے لئے شاید جگہ نہیں چھوڑی تھی اس لئے لاہور کے جناب علی بخاری سے تعارف کے باوجود سفارشوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے میں نے چوک نوناریاں سمن آباد لاہور کا خود سے دورہ کیا اور میری پہلی ملاقات جناب اعجاز فاروقی صاحب مرحوم سے ہوئی جنہوں نے میری لکھنے کی خواہش کے احترام میں مجھے اسسٹنٹ ایڈیٹر سلیمی صاحب کے حوالے کر دیا جو خود اسوقت ابھی اس ادارے میں تقریباً نووارد تھے اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا جو آج تک جاری ہے۔ اسی دوران میری محترم اقبال قرشی صاحب سے بھی قربت ہو گئی جن سے وقتاً فوقتاً ملاقات رہنے لگ گئی۔ چونکہ اس وقت ہم لوگ "پٹواری یوتھیا کلچر" سے نا آشنا تھے لہٰذا ہماری محبت بیس برس بنا تعصب کے چلتی رہی یا شاید علم نافع کے چند موتیوں نے مجھے جو کسر نفسی سکھائی تھی اسے بعد میں بھاری بھر کم ہو جانے والے دوستوں نے ہلکا لے لیا لہٰذا میں چپکے سے سائیڈ لائن ہو گیا۔

میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں عمر گوندل، احمد سلیمی، اعجاز فاروقی مرحوم، امین الدین انصاری مرحوم، ڈاکٹر خالد جنجوعہ، اقبال قرشی صاحبان و محترمہ مصباح قرشی صاحبہ کی عظمت اور قدر شناسی کو سلام پیش کرتا رہوں خصوصاً احمد سلیمی صاحب کو کہ جن کی توجہ کے باعث مجھے خود معلوم نہیں کہ بیس بائیس برس کا سفر کیسے کٹ گیا۔ اور کیسے ان مملوں کا منہ بند ہوا جو میری پی ایچ ڈی کی خارش میں عرصہ دراز تک نقل شدہ توہین آمیز پوسٹیں لگاتے رہے اور بعض نے تو میری غیر خوشامدانہ و تنقیدی خصلت کے باعث مجھے خفیہ ایجنسیوں کا جاسوس تک مشہور کر رکھا تھا۔ خیر مخالفت اسی کی

ہوتی ہے جو اپنے سے بھاری محسوس ہوتا ہے لہٰذا ان دوستوں کی مخالفت بھی میری لئے اعزاز ہی رہی۔

اس حقیقت کا ذکر بھی اکثر سننے کو ملا کہ مجلہ "قومی صحت" میں قدم جما کر غیر ملازم لکھنے والوں میں میرا اول نمبر بنتا ہے اور بحیثیت مجموعی ڈاکٹر خالد جنجوعہ صاحب کے بعد دوسرا۔ اسی کے عوضانے میں مجھے دو اسناد کا سزاوار سمجھا گیا ہے یعنی سو مضامین مکمل ہونے پر اور پھر دو سو سے زائد مکمل ہونے پر۔ اب چونکہ غذا و صحت اور ماحولیاتی شعور بیدار کرنے والے تصنیف و تالیف کے میدان سے میرا سفر یوٹیوب والی اگلی نہج تک چلا گیا ہے اس لئے مندرجہ بالا سب احباب کے ساتھ ساتھ رقیبوں کا خصوصی شکریہ اور انکی نذر چند اشعار:

خشک پتوں کی طرح لوگ اڑے جاتے ہیں

شہر بھی اب تو نظر آتا ہے جنگل کی طرح۔۔۔!!

پھر خیالوں میں ترے قرب کی خوشبو جاگی

پھر برسنے لگی آنکھیں مری بادل کی طرح۔۔۔!!

بے وفاؤں سے وفا کر کے گزاری ہے حیات

میں برستا رہا ویرانوں میں بادل کی طرح۔۔۔!!

"کیا یہ بنیاد پرستی ہے؟"

کالم میٹھا سچ 574 از ڈاکٹر سلطان محمود

5 مارچ 2023ء

ویسے تو جو سوال میں کرنے جا رہا ہوں اس کا جواب مجھے معلوم ہے لیکن اس کو میری loud thinking کی عادت سمجھ لیں کہ دوستوں سے پھر بھی مشورہ کرتا ہوں۔ نیز مندرجہ ذیل پوسٹ لگانے سے قبل پرسوں والی میٹنگ میں یہ سب کچھ ان کے اور دیگر حاضرین کے گوش گزار کر بھی چکا ہوں۔

ایک صاحب حال ہی میں میرے حلقہ احباب کی زینت بنے ہیں جنہوں نے سعودیہ میں رہنے کے باوجود پچھلے انیس برس سے نماز پنجگانہ، جمعہ اور عیدیں نہیں پڑھیں۔ شاید ان کے اندر کی یہ خود نمائی تھی یا احساس ندامت کہ انہوں نے نماز روزہ قائم کرنے کی بجائے قرآن پر تحقیق کا فیصلہ کر لیا اور ساری کتاب مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کے 224 احکامات چن کر انہیں الگ سے کتابی شکل دے دی۔

پاکستان واپس آ کر انہوں نے پہلے تو کتاب چھپوائی اور اب اس کی تقریب پذیرائی کے لئے مجھے بھی دعوت دی ہے۔ میں نے مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر شرکت سے انکار کر دیا ہے:

1۔ قرآن بے پردگی سے منع کرتا ہے جبکہ انہوں نے ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کو نقابت کے لئے منتخب کر لیا ہے

2۔ سہ پہر کے وقت ڈھائی گھنٹے کی تقریب میں عصر اور مغرب کی دو نمازیں آئیں گی جسے ادا کرنے کا کوئی خاطر خواہ بندوبست نہیں کیا گیا ہے۔

3۔ حاضرین کی اکثریت صوم و صلوٰۃ کی پابند نہیں لیکن اپنی کتاب بارے لیکچر میں اللہ کے 702 دفعہ کے اس حکم نماز کی عملی شکل کی ان کے پاس کوئی تاویل نہیں۔

4۔ ان کی ساری کاوش میں اپنی ذات کی تشہیر، کتاب کو بیچے جانے کی مہم اور کچھ نئے احباب سے تعلقات استوار کرنے کی دلی خواہش کی بھرمار ہے لیکن وضاحت وہ یہ دے رہے ہیں کہ یہ کتاب ہر گھر میں پہنچے (یعنی قیمتاً) تاکہ جو خواتین و حضرات قرآن کریم نہیں کھولتے انہیں اس کتاب کی شکل میں متبادل مل جائے (نعوذ باللہ قرآن کا متبادل خلاصے کی شکل میں)۔

جب ہم سکول کالج میں تھے تو اس زمانے میں گیس پیپر، پاسٹ پیپرز، خلاصے، پیپر آوٹ کرنے کے طریقے اور سوال جواب کی شکل میں کتب چھپتی تھیں جنہیں اصل نصاب کی جگہ قریباً نوے فی صد طلباء خرید کر تیاری کرتے تھے۔ پھر سالانہ طریقہ امتحانات کی جگہ سمسٹر سسٹم آ گیا جس سے نصاب مزید سکڑ گئے اور اوپر سے MSQs اور پاسٹ پیپرز نے کتاب بینی بالکل ختم کر دی۔ پھر شومئی قسمت سے امریکی ایجنٹ بھٹو آیا اور اس نے تعلیم کو قومی ملکیت میں لے کر اس بد قسمت

قوم کے مستقبل کا گلا بھی گھونٹ دیا۔ لہٰذا آج ہم دنیا کی ان پڑھ ترین اور بدترین اقوام میں شمار ہونے لگ گئے ہیں۔

اب وہی حرکت ان صاحب نے قرآن کا خلاصہ تیار کر کے کی ہے جس پر ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے احکامات کے مطابق قرآن گو کہ سمجھنے اور عمل کرنے کی کتاب ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کا ہر گھر میں کھولا جانا اور تلاوت کیا جانا بھی ضروری ہے اور باعث برکت بھی ہے۔ اب ہمارے دوست کی کتاب کی موجودگی میں گھر گھر میں شاذ و نادر جو قرآن کریم تلاوت کے لئے کھولے جانے کے امکانات تھے وہ بھی محدود و مفقود ہو جائیں گے۔

قرآن مجید کو مسلمانوں کی نظر سے اوجھل رکھنے کے لئے پچھلی ڈیڑھ صدی میں جہاں غیر مسلموں نے فرقے وغیرہ بنا کر جو تفریق پیدا کی وہ اپنی جگہ لیکن خود مسلمانوں نے بھی اس کتاب ہدایت کے ساتھ کم زیادتی نہیں کی۔ مثلاً شیعہ حضرات نے قرآن کی مکی مدنی سورتوں میں تفریق شروع کر دی اور تیس اور چالیس سہاروں کا شوشہ چھوڑ دیا، بریلوی حضرات نے پنجسورتے کی شکل میں عام مسلمان کو قرآن اکمل کی اہمیت سے دور کر دیا، تبلیغی بھائیوں نے فضائل قرآن کے نام سے قرآن و حدیث کا ایک الگ سے خلاصہ ترتیب دے دیا اور کامل قرآن پس پشت چلا گیا۔ اس کے علاوہ دیگر فرقہ باز مسلمانوں نے بھی اپنی اپنی لاعلمی سے یا اغیار کی منظم کوشش سے قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا ہے اور آج یہ حالت ہے کہ عام سے مسلمان کے لئے روزانہ کتاب ہدایت سے استفادہ کرنا نہ صرف شدید مشکلات کا شکار ہو چکا ہے بلکہ عادت سے ہی خارج ہو گیا ہے۔

اب میری اس مہم میں عدم شمولیت کی تاویلات تو یہی ہیں جو میں نے بیان کر دی ہیں لیکن احباب بضد ہیں کہ میں شرکت بھی ضرور کروں اور زبان بھی بند رکھوں۔ تو دوستو کیا مشورہ ہے آپ اہل خرد کا بیچ اس مسئلے کے ؟

اشمل

ان صاحب نے قرآن کسی بہانے سے کھول ہی لیا تھا تو احکامات جمع کر رہے تھے ان سے متاثر بھی ہو جاتے، اگر انہیں اپنی ذہنی صلاحیت پہ بہت زیادہ بھروسہ ہے تو قرآن کی تفسیر کر لیتے یا قرآن کی مدحت میں ایک ایسی پر اثر کتاب لکھتے کہ آج کا ہر نوجوان قرآن پڑھنے کے لیے بیتاب ہو جاتا، اب آپکی شمولیت کی بات ہے تو آپکی شمولیت کے بغیر بھی وہ کام تو ہو جائیگا، ہاں اہم یہ ہو گا کہ آپ شامل ہوں اور کھل کے بولیں خاموش نہیں رہنا۔

"کیا کورونا حیاتیاتی جنگی ہتھیار تھا؟"

کالم میٹھا سچ 575 از ڈاکٹر سلطان محمود

7 مارچ 2023ء

امریکی میڈیا کی منسلکہ خبر کو غور سے سنئے کہ جس میں فائیزر کمپنی نے اپنی ہی بنائی گئی ویکسین پر مکمل پابندی عائد کرنے کا مرحلہ وار پروگرام شروع کر دیا ہے۔ جلدی میں بنائی گئی کورونا ویکسین پر میں دو برس سے تنقید اور خدشات کا ذکر کرتا چلا آیا ہوں جس کی وجہ سے تین بار میرے فیس بک اکاؤنٹ پر پابندی لگی، کئی مچھندر ناراض ہو کر بلاک ہوئے لیکن اب اسی امریکہ نے اسی ویکسین پر مکمل پابندی عائد کرتے ہوئے وہی بات کر دی جس خدشے کا میں نے دو برس قبل اظہار کیا تھا۔

اب شاید ویکسین کمپنیوں کا فروخت کا ہدف پورا ہو گیا ہے اس لئے انہوں نے 65 برس سے اوپر والے افراد اور اسکول کے بچوں کے خون میں کلاٹ بننے کو واقعات پر ہونے والی بدنامی سے بچنے کا یہی بہتر حل سوچا ہے کہ اب آہستہ آہستہ ویکسین کو مارکیٹ سے ہٹا دیا جائے۔ اب آنے والے دنوں میں دیکھئے وہ کس کس بہانے ویکسین کو عالمی مارکیٹ سے اٹھاتے ہیں۔

ارب پتی کمپنیوں کے کھرب پتی ہونے کی اس عالمی کاروباری کشمکش کا ڈرامہ اب اختتام پذیر ہو رہا ہے تو دوبارہ اپنے دوستوں کو یاد دلاتا چلوں کہ میں نے اپنے بیالوجی و فزیالوجی کے محدود علم کی بنیاد پر اپنے خیالات کو چیلنج کے طور پر پیش کیا تھا جسے تب فیس بک سمیت کسی نے نہیں مانا تھا۔ لیکن

مجھے دال میں کالا تب نظر آیا تھا جب ان مضامین کے گروؤں کو بھی اس وقت معاف نہیں کیا گیا تھا اور ان کی زبان بندی کی کوششیں کی جارہی تھیں۔

مجھے یاد ہے کہ دو برس قبل پاکستان کے شعبہ ماحولیات کے سینئیر ترین ڈائریکٹر جنرل ریٹائرڈ جناب محترم آصف شجاع خان صاحب نے بھی قیام اسلام آباد کے دوران میرے اس خیال پر کھل کر اتفاق نہیں کیا تھا جب میں نے کورونا کو "حیاتیاتی جنگی ہتھیار" قرار دیا تھا لیکن دیکھیں آج امریکی میڈیا نے بھی اسے bioweapon کہہ دیا ہے۔

اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آرہی ہے کہ جب ہم عالمی ڈانز، مافیاز یا کارٹلز میں فارما انڈسٹری کو شامل نہیں کرتے تو کس قدر لاعلمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

"اپنے مشیروں سے بچیں"

کالم میٹھا سچ 576 از ڈاکٹر سلطان محمود

مارچ 2023ء

میں یہی شکوہ عمران سے بھی کرنا چاہتا ہوں جو اس سے قبل کبھی ذوالفقار علی بھٹو سے کیا تھا۔ تب سوشل میڈیا تو نہ تھا لیکن مجھے طلباء یونین کا فورم میسر تھا۔ لیکن اس تک میری آواز نہ پہنچ سکی۔ رکاوٹ پیسہ تھا اور اب بھی ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ میری آواز اب عمران تک بھی نہ پہنچ سکے گی۔ میں ان دونوں کو آج بھی اس یقین سے دیکھتا ہوں کیونکہ بھٹو پچاس برس قبل اس ملک کے لئے کچھ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھا اور آج آدھی صدی بعد آپ بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ بھٹو بھی مشیروں اور وزیروں کے ہاتھوں شکست کھا گیا اور مجھے ڈر ہے آپ بھی نہ کھا جائیں ویسی ہی شکست۔ میں نے ہوش و حواس میں رضا شاہ پہلوی کا دور بھی دیکھ رکھا ہے۔ خان صاحب قسم لے لیں آپ کے مشیر وزیر صرف اپنے مشن سے آگاہ ہیں انہیں عوام سے نہ تو محبت ہے اور نہ ان کے مسائل سے آگاہی۔ دیکھ لیں خان صاحب یہ بے شک آپ کو ڈوبتا دیکھ کر ملک چھوڑ جائیں لیکن ہم آپ کو ڈوبتا نہیں دیکھنا چاہتے۔ "اب بھی وقت ہے ہوش کے ناخن لیں" یہ میرے ہی الفاظ ہیں جو میں نے گورنمنٹ کالج لائلپور میں پولیس سے مار کھانے سے قبل 1976ء میں ادا کئے تھے مگر صدا بہ صحرا ثابت ہوئے۔ آج پھر سوشل میڈیا کے توسط سے وہی الفاظ دہرا رہا ہوں

"ہوش کریں خان صاحب۔ کم سے کم آدھے مشیر وزیر تو عوام سے لے کر آئیں تاکہ آپ آدھے ڈوبیں"۔

ڈاکٹر سلطان محمود

"تراہ کاڈنے والا فلاسفر"

کالم میٹھا پیچ 577 از ڈاکٹر سلطان محمود

18 مارچ 2023ء

واہ شوق سوشل میڈیا میں ہمارے دوست نے کیا عظیم فلسفہ جھاڑا ہے۔ فرماتے ہیں "انسان نے اگر وقت کے ساتھ ترقی نہ کی ہوتی تو بیل گاڑی آج بھی دنیا کا جدید ترین ٹرانسپورٹ سسٹم ہوتا"۔ ہمارے وجدان کے اندر سے ایک خاموش چیخ برآمد ہوتے ہوتے رہ گئی لہٰذا جبر مسلسل نے ہمیں آج ایسے ہی دیگر فلسفے بھگارنے کا موقع دیدیا ہے۔ ہم چونکہ گرہ لگانے کے ماہر ہیں لہٰذا نچلے نہ بیٹھ سکے اور اس "عظیم فلسفے" کے اور بھی کئی رخ نکال لائے ہیں۔ مثلاً:

1۔ اگر انسان نے دماغ استعمال نہ کیا ہوتا تو آج بھی جنگل میں سانڈھوں اور سانپوں کے ساتھ سوتا جاگتا

2۔ اگر انسان نے ارتقاء کا سفر نہ کیا ہوتا تو آج بھی دم لئے پھرتا ہوتا

3۔ اگر انسان 1969ء میں چاند پر نہ گیا ہوتا تو آج بھی ہم چاند کو ماموں بنانے کی بجائے ماموں سمجھ رہے ہوتے

4۔ اگر آج بھی انسان دو پیروں پر چلنا نہ سیکھتا تو یقیناً چاروں ہاتھ پاؤں پہ چلتا ہوتا

5۔ اگر انسان پہیہ ایجاد نہ کرتا تو آج نیازی بس سروس کا وجود ہی نہ ہوتا

6۔ اگر قیامت ذرا جلدی آجاتی تو آج دبئی میں برج خلیفہ نہ ہوتا

7۔ اگر ڈاکٹر سلطان نے دوسری شادی کرلی ہوتی تو آج دبئی کی میٹرو سروس میں دھکے نہ کھا رہا ہوتا

8۔ اگر دو صدی پیشتر انگریز برصغیر میں نہ آیا ہوتا تو آج میری انگریزی کا ٹھٹھہ لگانے کی کسی کو جراءت نہ ہوتی

9۔ اگر محمد بن قاسم سندھ نہ آیا ہوتا تو آج ہم ہندو ہوتے

10۔ اگر اس وقت۔۔۔ یہ۔۔۔ نہ ہوا ہوتا تو آج۔۔۔ یہ۔۔۔ بھی نہ ہوا ہوتا۔

وعلی ہذاالقیاس۔

پھر ہم نے اپنے دوست ہی کی زبان میں یہ بھی کہلوا دیا کہ دیکھا میں کیسے دوسروں کو حیران کر دینے والا فلاسفر ہوں اس لئے میرے مرتبے کو پہچانیں اور جلد از جلد نوبل پرائز کمیٹی سے "چٹکیوں میں حیرت زدہ کر دینے والے فلاسفر" کی اعزازی سند چھاپ کر عالمی مشاعرے میں سٹیج پر بلا کر محترمہ تسنیم کوثر کے ہاتھوں مجھے پیش کر دیں ورنہ میں اگلا پورا سال آپ کو ایسے ایسے شعر گھڑ کر سناؤں گا کہ چاہے آپ کے منہ کا ذائقہ خراب ہو نہ ہو معدہ ضرور برباد ہو جائے گا۔ نیز میں اس شعری مجموعے کا نام رکھ دوں گا "سوز مچھر"

شاعر: فلاں فلاں

ہماری جانب سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اسے ہمارے دوست کی ہجو نہ سمجھیں بلکہ جو آپ کی مرضی ہے سمجھ لیں۔

جواب تبصرہ

میرے مترویہ تو ہم نے میاں وقار الاسلام سے مزاحیہ گفتگو کر کے دن کا آغاز ذرا میٹھے انداز میں کیا ہے جنہوں نے صبح صبح ہمیں حیران کرنے کی کوشش میں ہمارے دانت کھٹے کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔

"دبئی کی سرمئی شامیں"

کالم میٹھا سچ 578 از ڈاکٹر سلطان محمود

24 مارچ 2023ء

جوں جوں دبئی میں دن گذر رہے ہیں تو اب اپنا اپنا سا محسوس ہونے لگا ہے۔ اس لئے سوچا کہ ابتدائی تین دنوں کے سیر سپاٹے کو بھی "سپرد میڈیا" کر کے چین حاصل کر لیا جائے۔ لکھاری کی بھی حالت عجب ہوتی ہے جسے سمجھنے کے لئے مرغی کے انڈا دینے والے لمحات کی کشمکش اور اذیت محسوس کر لینا کافی ہے۔ یا پھر اس شاعر جیسی بے چینی کہ جسے کلام "بنانے" میں "قبض" ہو چکی ہو یا پھر بازار میں پھرنے والے اس مسافر کی سی جسے آس پاس پبلک ٹوائلٹ نہ مل رہا ہو۔ لہٰذا مجھے بھی آج کا کالم لکھنے کے بعد اس ماں جیسا سکون مل جائے گا جو ابھی ابھی دردِ زہ سے فارغ ہوئی ہو۔

میری اس حالت کی گواہ الغبیبہ، الحمریا اور برجمان کی آبادیوں کی ہیں جہاں میں شروع میں اکیلے ہی مٹر گشت کرنے نکل جاتا تھا۔

مگر اب میاں شکیل بھائی کو بھی روزانہ ڈنر اور کافی کے بہانے امریکن سٹائل میں ساتھ جوڑ لیا ہے۔ کافی پینے کی دو جگہیں منتخب کر رکھی ہیں، باقر المجمی کے سامنے کی گلیوں کی نکڑ پر واقع "کیفے الغدیر" اور "کیفے وہائٹ مگ" جہاں ہال کی بجائے فٹ پاتھ پر پر رکھی کرسیوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں کو گھورنا اور تانک جھانک کرنا، نیز ٹریفک کے بہاؤ اور اونچی عمارات کو روزانہ گھنٹہ بھر دیکھنے سے

مجھے اس پینڈو پروڈکشن کی یاد آجاتی ہے جن پر ہم لاہور آنے پر کبھی پھبتی کسا کرتے تھے کہ "یہ لاہور کی بتیاں دیکھنے آئے ہیں"۔

دبئی کے حکمرانوں نے بے شمار دولت کا بالکل درست استعمال کیا ہے اور ترقی یافتہ ممالک کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی ہر اچھی چیز اپنالی ہے۔ مگر دبئی کے اٹھاسی فیصد تارکین وطن نے جو چیز سب سے پہلے اپنائی ہے وہ جنسی اعضاء کی نمائش ہے جسے دیکھتا ہر کوئی ہے مگر بات کرنا تو دور کی بات ہے جی بھر کے گھور بھی نہیں سکتا۔ سڑکوں کے نام، ٹریفک کا بہاؤ اور اشارے وغیرہ امریکی طرز پر استوار کئے گئے ہیں۔ عمارتیں اور اڑوس پڑوس برطانیہ سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن اصل کمال یہ ہے کہ پاکستان، بھارت، فلپائن، نیپال و بنگلہ دیش وغیرہ کے "بتیاں" دیکھنے والوں کو بھی ایک خاص نظام میں باندھ کر "مہذب" بنا دیا گیا ہے۔ وہ بیچارے نہ تو سڑکوں پر تھوک سکتے ہیں اور نہ بے ڈھنگی ڈرائیونگ کر سکتے ہیں۔ نہ گھروں میں ملازم رکھنے کے قابل ہیں اور نہ کھلے دالانوں میں بیٹھ سکتے ہیں۔ سبھی بلند و بالا فلیٹوں کے اندر بنے چوہے دانوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ بلکہ اپنے بستر، غسل خانے اور باورچی خانے تک "صفائی اور تنظیم" کی پابندی برداشت کر رہے ہیں۔ سبھی اس قدر مجبور ہیں کہ نہ اونچی آواز میں میوزک سن سکتے ہیں اور نہ ویلے بیٹھ کر خرمستیاں کر سکتے ہیں۔ بارہ گھنٹے کام اور بارہ گھنٹے سوتے ہیں۔ پھر جوڑے تو اپنے اپنے چوہے دانوں میں مصروف ہو جاتے ہوں گے لیکن مجرد بھی اس بات پہ کڑھتے رہتے ہوں گے کہ ہمیں اس قانون کا کیا فائدہ جس میں بغیر نکاح کے بھی رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔

میرے خیال میں دبئی کا اصل حسن شخصی آزادی ہے اور ہر شخص وہاں تک آزاد ہے جہاں سے دوسرے کی آزادی شروع ہو جاتی ہے۔

قارئین کی رائے:

ڈاکٹر صاحب سفر کی یادوں میں شریک کرنے کا شکریہ۔اس کالم کب منفی پہلو یہ ہے کہ اپ جس طرح دوبئی کے حکمرانوں اور نظم وضبط سے متاثر نظر آتے ہیں اپ بھی ہماری اشرافیہ کی طرح ملک کو خیر باد کہنے والے ہیں یوں ہم ایک محب وطن مخلص مہربان دوست سے محروم ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر سلطان
کیا نظم وضبط اور دولت کے بامقصد استعمال کو پسند کرنا برا فعل ہے؟ دوم اشرافیہ تو ملکی دولت چوس کر ہی پاکستان چھوڑے گی۔ ہم ان میں سے کہاں؟ نیز میں نے کون سا پاکستان کو سہارا دے رکھا تھا؟ ویسے مہربانی آپ کی۔
کہاں کے نام ونسب، علم کیا فضیلت کیا؟۔۔۔
جہان رزق میں توقیر اہل حاجت کیا؟۔۔۔
شکم کی آگ لئے پھر رہی ہے شہر بہ شہر۔۔۔
سگ زمانہ ہیں، ہم کیا ہماری ہجرت کیا؟۔۔۔!!

وڑائچ

آپ جیسے لوگ بکھرتے خوابوں کا آخری سہارا ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے ہم آپ کو کھو دیں گے۔

شفق نذیر

خوش قسمت ہیں جو دوبئی کی بتیاں دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

ریاض اوپل

ڈاکٹر سلطان صاحب، ابن بطوطہ کا روپ دھارتے ہوئے۔

"ویکھو جٹی دی عقل گئی"

کالم میٹھا نمبر 579 از ڈاکٹر سلطان محمود

دبئی، 28 مارچ 2023ء

پورے ملک میں جگہ جگہ ڈی ایچ اے اور دیکھا دیکھی دیگر ہاؤسنگ سکیمز بننے سے یا انڈسٹری لگنے سے غذائی عدم تحفظ کا جن بوتل سے باہر آ چکا ہے۔ گوجرانوالہ میں جس جگہ بہترین چاول پیدا ہو سکتا تھا یا ملتان میں جہاں بہترین آم پیدا ہو سکتا تھا وہاں ڈی ایچ بن رہے ہیں۔ ساہیوال کی بہترین زرعی زمین پر کوئلے سے بجلی بنانے کا پلانٹ لگ گیا ہے۔ سرگودھا کا اعلیٰ ترین سٹرس ایریا بھی ایسی ہی ترقی کی زد میں آنے والا ہے۔ ابھی شیخوپورہ پر شہباز شریف کی جدید ٹیکسٹائل انڈسٹری کے منصوبہ کی فائلیں بھی الماریوں سے خطرناک انداز میں باہر اچھلنے کو تیار بیٹھی ہیں۔

پیسہ بنانے کے لئے زراعت کی تباہی وہ المیہ ہے جس کے خلاف مربوط تحریک چلانے کی ضرورت ہے ورنہ چند لوگ پورے ملک کی زمینوں پر قبضہ کر جائیں گے اور پھر کوئی بول بھی نہ سکے گا۔ تب تک بہترین غلہ پیدا کرنے والی زمینوں پر سنگ مرمر کے فرش بن چکے ہونگے اور ہم عام غذا حاصل کرنے کے لئے بھی ایک دوسرے کی چمڑی ادھیڑ رہے ہوں گے۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے والی ایک لڑاکی این جی او کی سربراہ سے میری سر پھٹول ہو رہی تھی جن کی ساری توجہ صرف لاہور پر ہے۔ ملاحظہ کریں میرا رونا:

I think utopian thinking is not so workable in the development of any city modernization. We in LCS discuss only Lahore where major budgetary share of whole Punjab is spent and this type of governance tantalizes further urbanization. We can't cease such urbanization in Lahore unless policy makers are not planning well for rural development. Holistic approach is needed instead of piecemeal planning for Lahore

یعنی عرض کر رہا تھا کہ کسی بھی شہر کی خوبصورتی اور ترقی بر قرار رکھنے کے لئے ٹیوپیائی سوچ کام نہیں کرے گی۔ ہم لاہور بچانے کے لئے بحث تو کرتے ہیں جہاں پنجاب کا اکثریتی بجٹ خرچ ہو جاتا ہے لیکن ایک شہر کی جدت آس پاس دیہات بلکہ دور دراز کے علاقوں کے لوگوں کو پھر یہاں ہجرت کرنے سے بھی نہیں روک سکے گی۔ ہمیں اجتماعی سوچ کی ضرورت ہے نہ کہ ٹکڑوں میں ترقی کرنے کی۔ ہم شہروں کے پھیلاؤ کو اس وقت تک نہیں روک سکیں گے جب تک دیہاتوں کو عملی ترقی نہیں دیں گے۔

یقیناً اس نقار خانے میں طوطی کی آواز بھی کوئی سن نہیں سکے گا لیکن غذائی عدم تحفظ پر احتجاج کا وہ دن دور نہیں جب ہم ایک دوسرے کو مورد الزام گردانتے ہوئے بڑوں کے اقوال دہرا رہے ہوں گے کہ "ویکھو جٹی دی عقل گئی، مج ویچ کے گھوڑی لئی، ددھ پینو گئی، لدھ سٹنی پئی تے دلتی کھانی پئی۔ یعنی دیکھیں ذرا ہماری مت ماری گئی کہ بھینس بیچ کے گھوڑی لے لی۔ دودھ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، الٹا لید صاف کرنی پڑی بلکہ کئی بار دولتی بھی کھانی پڑی"۔

"برج خلیفہ کے سائے تلے"

کالم میٹھا سچ 580 از ڈاکٹر سلطان محمود

31 مارچ 2023ء

آج دبئی کے برج خلیفہ کے سائے تلے افطاری کے انتظار میں کے ایف سی میں بیٹھے ہماری نظر اس کی ایک سو اڑتالیسویں منزل پر ٹکی ہوئی تھی اور ہم مطمئن تھے کہ آج بھی ہم نے کنجوسی کے ریکارڈ توڑتے ہوئے وہ ڈیڑھ سو درہم بچا لئے ہیں جو ٹکٹ لے کر اسے اندر سے دیکھنے پر اٹھ جانے تھے۔ چند سطریں لکھنے کے بعد ہماری نظر اٹھی تو ہال مسلمانوں سے کھچا کھچ بھر چکا تھا اور قریباً سبھی کی نظریں اپنے اپنے فون پر تھیں۔ سامنے کھانا رکھ کر انتظار کرنے کا تو کوئی ہمارے روٹی توڑ گروپ سے پوچھے جو اپنی زندگی کے مشکل ترین وقت کے نرغے میں اس وقت ہوتے ہیں جب کھانا سامنے پڑا دیکھتے ہیں اور ہمیں ایک گھنٹے کے فرق سے پاکستان یاد آ گیا جہاں ہمارے گمان کے مطابق سارے مرد حضرات کو افطاری کے لئے سوتے سے اٹھانے کی جدوجہد جاری ہو گی۔ پھر وہ خواتین یاد آ گئیں جنہوں نے نماز اور وظائف کے باوجود دو ایک بھارتی فلمیں بھی دیکھ ڈالی ہوں گی اور پھر نوجوان نسل یاد آئی کہ جو سوشل میڈیا پر بھرپور جنگ لڑ رہی ہو گی۔ ساتھ ہی وہ شعراء بھی یاد آ گئے جو کہیں اجتماع میں افطاری سے زیادہ اپنا پھوکا کلام سنانے کو بیتاب ہوں گے لیکن خیر بھاٹی اور مصری شاہ کے بازاروں کی وہ جنگ بھی تخیل میں آن ابھری ہے جو سموسے کچوریاں لینے کڑاہوں کے ارد گرد بھد اڑا رہے ہوتے ہیں۔

اتنے میں ہمارے عقب میں بیٹھے ایک نوجوان بھارتی جوڑے کی آواز کے کچھ الفاظ ہماری سماعت سے ٹکرا کر ہمیں چونکا گئے جو غالباً مصنوعی ذہانت کی تازہ ترین ایپ "چیٹ جی پی ٹی 4" پر بحث کر رہے تھے۔ ہمیں نجانے کیوں جسٹس ہمایوں کے منہ سے نکلے کئی دہائیوں قبل کے اس شعر کا کوندا دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برستا ہوا محسوس ہوا کہ جب انہوں نے بھی میری طرح ہی دبئی یا کسی ترقی یافتہ ملک کے کسی شہر میں اکیسویں صدی میں بھی اپنی سوئی ہوئی قوم کو جگانے کی خاطر اپنے دل میں ہوتی کھد بھد کی وجہ سے کہا ہو گا:

اٹھو، وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی۔۔۔
دوڑو، زمانہ چال قیامت کی چل گیا۔۔۔!!

یعنی کہاں ہم، کہاں بھارت کی عوام اور کہاں اب دبئی کی گلوبل کمیونٹی جہاں دنیا بھر کی ذہانت جمع ہو رہی ہے۔ مصنوعی ذہانت جیسی ایجادات میں سے ایک چیٹ جی پی ٹی ہے لیکن بد قسمتی سے پاکستانیوں کو جس کا پتا ہی نہیں۔ میں بھی اگر دبئی نہ آتا تو شاید اپنے پاکستانی بھائیوں جیسا ہی رہتا اور مصنوعی ذہانت کے اس دور میں بھی پکوڑا بازی کر رہا ہوتا اور اس ایپ کا پتا ہی نہ چلتا۔ یہ تو کریڈٹ ہمارے دبئی رہائش پذیر میاں شکیل بھائی صاحب کو جاتا ہے جنہوں نے ہمیں اس اہم ایپ کے بارے تفصیل بتائی۔

ہماری قوم اس ایجاد سے بے خبر ہے لیکن مغرب کی اس ابھرتی ہوئی ترقی کو دبئی نے اپنے ہاں لاگو کر لیا ہے بلکہ وہ اسی بنیاد پر اس سال کاپ 28 کے میزبان بھی بننے جا رہے ہیں۔ معذرت چاہوں گا

ہماری قوم کو شاید کاپ28 کا بھی پتا نہ ہو۔ ہمیں بہر حال اس میں شرکت کی دعوت ہے اور اس کی 16 مارچ کو دبئی میں منعقدہ ابتدائی کانفرنس میں ہم مدعو بھی تھے۔

ہم میں سے ہر پڑھے لکھے بلکہ معمولی پڑھے لکھے پاکستانی شخص کو Chat GPT (جنریٹو پری ٹرینڈ ٹرانسفارمر) کے بارے نہ صرف پتا ہونا چاہئے بلکہ اسے تیزی سے استعمال کرنے کا ڈھنگ بھی آنا چاہئے۔ یہ مفت ہے شاید اسی خوبی سے متاثر ہو کر کچھ بھائی ہمت کر لیں۔

چیٹ GPT4 کو گل کریں اور استعمال کر کے ترقی یافتہ دنیا کے برابر آجائیں۔ اور جانیں کہ یہ چیٹ کیا کر سکتی ہے؟ بقول گوگل کے یہ استعمال کنندگان کو آج تک کے کل لٹریچر سے منتخب "کی ورڈز" کی وساطت سے مندرجات جمع کر کے اس کا خلاصہ پیش کر سکتی ہے جس کو وہ مناسب ردوبدل سے اپنی تکنیکی اور اختراعی تصنیفات میں شامل کر سکتے ہیں۔ بآالفاظ دیگر یہ مصنفین کے لئے "رویو آف لٹریچر" کا کام بھی دیتی ہے جس پر قریب قریب سبھی مصنفین محنت کرنا چھوڑ چکے ہیں۔ یہ ایپ ہمارے لئے نغمے اور سکرین پلے بنا سکتی ہے۔ بلکہ کسی بھی مصنف کے طریقہء مضمون نویسی کی نقل بھی کر سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ اس صدی کی اہم ترین ایجادات میں سے ایک ہے جسے "مصنوعی ذہانت یا آرٹیفشل انٹیلیجنس" کے ذریعے پروان چڑھایا جا رہا ہے۔

ہمیں بس ایک الجھن ہے چھوٹی سی۔ یہ مصنوعی ذہانت پر ترقی یافتہ ممالک بلکہ ترقی پذیر بھی کھربوں ڈالر کیوں خرچ کر رہے ہیں؟ کیا ست الوجود، نالائق اور کند ذہن لوگوں کی مدد کی جا رہی ہے۔ تو خواتین و حضرات آپ درست سمجھے ایسا ہی ہے۔ دنیا کی آٹھ ارب آبادی کی ترقی کا بوجھ

محض ایک چھوٹے سے انٹلیکچول طبقے نے اٹھا رکھا تھا اور باقی لمبی تان کے سو رہے تھے یا پروفیشنل ذمہ داریوں میں بھی سرقہ بازی کر کے ریسرچ پیپر یا ترقیاتی رپورٹیں لکھ رہے تھے۔ یہ مچھندر اس محدود طبقے کی وجہ سے ٹیکنالوجی سے فوائد تو حاصل کر رہے تھے لیکن اس کی ترویج و ترقی میں کوئی حصہ نہیں ڈالتے تھے لیکن اب ڈالیں گے اور اب دنیا کی شدید ترین تیز رفتار ترقی میں بادل نخواستہ ہی سہی، کچھ نہ کچھ کریں گے ہی، چاہے شاعری ہی کرتے پھریں یا محنت کئے بغیر کتابیں لکھتے پھریں۔

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔

تبصرہ:

قیوم

People here also are gradually becoming familiar with ChatGPT. And I reckon it is not for free. One has to pay for it. Please double check. It is paid after some free trial. Nevertheless, it is a big breakthrough and has opened new vistas of knowledge. It's plaything for me like the Facebook. I am making good use of it to kill time.

DSM

No sir it's free. Here familiarity is slow paced like a snail. Sir try to use it first and then reiterate please.

قیوم

یہاں کے لوگ بھی آہستہ آہستہ ChatGPT سے واقف ہو رہے ہیں۔ اور مجھے لگتا ہے کہ یہ مفت نہیں ہے۔ اس کے لیے ادائیگی کرنی پڑتی ہے۔ براہ کرم دوبارہ چیک کریں۔ کچھ مفت استعمال کے بعد شاید یہ پیڈ ہو جاتا ہے۔ بہر حال، یہ ایک بہت بڑی پیشرفت ہے اور علم کے نئے راستے کھول دیے ہیں۔

میرے لیے یہ فیس بک کی طرح ایک تفریحی چیز ہے۔ میں اس کا اچھا استعمال وقت گزارنے کے لیے کر رہا ہوں۔

ڈی ایس ایم

نہیں سر، یہ مفت ہے۔ یہاں واقفیت کی رفتار سست ہے جیسے کہ کچھوا۔

سر، پہلے اسے استعمال کریں پھر اس پر دوبارہ تبصرہ کریں۔

وقار

آپ نے کیسے سوچ لیا کہ چیٹ جی پی ٹی کا ہماری قوم کو پتہ نہیں، یہاں کے بچے بچے کو پتہ ہے جو ڈیجٹل مارکیٹنگ سے تھوڑے بہت بھی منسلک ہیں، نا صرف پتہ ہے بلکہ استعمال بھی کر رہے ہیں۔ اے آئی اب اتنی بھی نئ نہیں کہ ہمیں اس کا پتہ نہ ہو، 20 سال پہلے یہ تمام کنسیپٹس پڑھ ڈالے تھے۔ نا صرف پڑھے تھے بلکہ ایپس بھی یوز کی تھیں جی پی ٹی اسی سفر کا اگلا مرحلہ ہے۔

ڈاکٹر

آپ دل پر لے گئے۔ آپ سارا پاکستان تو نہیں اور نہ ہی بچہ بچہ ہیں۔ دیگرے آپ نے مصنوعی ذہانت جیسی دادی کی اگلی شاہکار پوتی "چیٹ جی پی ٹی" کو یوں مکس کر دیا ہے جیسے ایک اسی سالہ بڑھیا دوسری سے کہتی ہے کہ سامنے گھر والا لڑکا مجھے چاند سمجھتا ہے۔ وہ حیرت سے بولی وہ کیسے؟ کہتی ہے کہ وہ میری پوتی کو چاند کا ٹکڑا کہتا ہے۔ اور تمہیں تو پتا ہے کہ کہ میری پوتی میرے جگر کا ٹکڑا ہے

شفق نذیر

چیٹ جی ٹی پی کا سنا تو ہے لیکن ابھی پوری انفارمیشن نہیں۔ مفید معلومات شئیر کرنے کا شکریہ

ڈاکٹر

مادام اگر آپ جیسے علم دوستوں نے بھی صرف سنا ہی ہے تو عوام کا تو پھر اللہ ہی حافظ۔

فرزانہ فیروز

ایسا نہیں ہے کہ سب پاکستانی اس سے ناواقف ہیں۔ اپنی اپنی فیلڈ کی بات ہے، بہت اچھی طرح لوگ یہاں بھی اس کو جانتے ہیں لیکن اتنی عام نہیں۔ بہت اچھی انفارمیٹو تحریر ہے۔ شکریہ

DSM

Mam there is difference between knowledge and practice. Thanks to like my column.

محترمہ، علم اور عمل میں فرق ہے۔ میرے کالم کو پسند کرنے کا شکریہ۔

"جیسا منہ ویسی چپیڑ"

کالم میٹھا سچ 591 از ڈاکٹر سلطان محمود

3 مئی 2023ء

ہمارے ایک غیبی مخالف سی پیک کو نون لیگ کا کارنامہ قرار دے کر اتنے خوش ہیں کہ پھولے نہیں سماتے۔ ہمارا جواب سن کر اب ان کے کان لٹک گئے ہیں۔ آیئے آپ بھی شریک محفل ہو جائیں تا کہ کم از کم یہ محفل کشت زعفران بن جائے۔ ہم نے یاداشت سے مٹی جھاڑتے ہوئے عرض کی کہ بھیا یہ آپ کی شدید بھول ہے کہ سی پیک عمران سمیت کسی بھی سیاسی جماعت، سیاہ ست دان یا کسی جرنیل کا کارنامہ ہے۔ یہ پلان سو فیصد چین کا اپنا بنایا ہوا ہے، سو فیصد رقم بھی ان کی ہے، سو فیصد مرضی بھی ان کی ہے۔ صرف زمین ہماری ہے جس پر ہمارا نہ آج اختیار ہے اور نہ کل ہو گا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ چھپن ارب ڈالر شروع میں، چالیس ارب ڈالر درمیان میں اور اٹھاون ارب ڈالر اب کراچی تا کاشغر ریل والے کل ملا کر تقریباً ڈیڑھ کھرب ڈالر اس نے ہمارے سٹیٹ بنک کو دے دیئے ہیں؟ اگر پاکستان بھر میں کسی ایک شخص کا بھی یہ خیال ہے تو وہ دنیا کا احمق ترین انسان ہو گا یا پھر فاتر العقل بچہ جمہورا۔

ہمارے ہاں پائی جانے والی ساری طاقتیں بشمول مداری سیاہ ستدان محض انگلیوں پر ناچنے والی کٹھ پتلیاں ہیں۔ چین ہر حکمران سیاہ ستدان، اصل فوجی حکمران، میڈیا کے غرانے والے چوہوں اور بے ایمان تاجروں کے سامنے وقت کے تقاضے کے مطابق ہڈیاں پھینکتا رہتا ہے۔ جو نواز، زرداری،

عاصم، قمر وغیرہ کی طرح ہڈی پر جھپٹ پڑے تو اسے چند ڈالر لڑھکا کر تماشہ دیکھتا ہے اور پھر من مرضی کے فیصلوں پر دستخط لے لیتا ہے۔ لیکن جو عمران کی طرح ذاتی فائدے لینے کی بجائے پچھلے بھی منسوخ کرنے پہ تل جائے اس سے اور طریقے سے نپٹتا ہے مثلاً دبئی کی بندرگاہ کو اوپر اٹھا کر یا بھارت کو تیئس ارب ڈالر دے کر۔ اگر بھارت سر اٹھائے تو اس کے فوجیوں کو لداخ میں بغیر اسلحے کے لوہے کے کانٹوں والی چھڑیوں سے مار مار کر لہولہان کر کے واپس دھکیل دیتا ہے۔ یعنی جیسا منہ ویسی چپیڑ۔

چین اتنی بڑی گیم کر رہا ہے کہ جو عام سے روٹی توڑ ٹٹ پونجیوں کی سمجھ سے ہی بالاتر ہے اور ہمارے ہاں ہر پارٹی کا بچہ جمہورا اسے اپنے لیڈر کی کامیابی سے جوڑ کر ایسے مزے لیتا ہے جیسے کمزور ایمان والے مولانا طارق جمیل سے حوروں کے قصے سن کر خوش ہوتے ہیں۔ کسی زمانے میں ہم گراموفون کے اشتہار میں سپیکر کے آگے کتے کو سر ہلاتے دیکھا کرتے تھے اور نیچے لکھا ہوتا تھا ."His Master's Voice" ہمارا حال بھی اس سے مختلف نہیں۔

کے ذریعے اپنے ساتھ جوڑ کر اگلے چند ہی سالوں میں دنیا بھر کی معیشتوں کو غلام بنالینا ہے اور ہم یہی کہتے رہ جائیں گے OBOR چین نے افریقہ، ایشیا اور یورپ کے سینتیس ممالک کو بیلٹ اینڈ روڈ یا

کہ یہ سب کچھ عمران، نواز یا زرداری نے کرایا ہے اور ایسا ہی کچھ باقی کے سبھی ممالک کی احمق عوام بھی اس منصوبے کا کریڈٹ اپنے پسندیدہ رہنماء کو دیتے ہیں۔ واہ رے ہماری عقل کو بھی شاید کھوتا کھا گیا ہے۔

امریکہ نے چین سے تیس کھرب ڈالر ادھار پکڑ رکھا ہے، یورپ نے اس سے آدھا اور ہم جیسے ملک صرف ایک ایک کھرب ڈالر پر لڈیاں ڈال رہے ہیں۔ چین گلیشیئرز سے بھی اوپر بیٹھ کر ہمارے ناچ دیکھ رہا ہے اور دنیا بھر کی سیاست کو قابو کرنے کے طریقے بھی جان گیا ہے۔ اگرچہ امریکہ سمیت ساری دنیا چین کے قرضے واپس کرنے کے قابل نہیں لیکن اگلے دس سال میں چین نے کم از کم ڈالر کی حکمرانی کا خاتمہ کر کے یو آن ہمارے سروں پر منڈھ دینا ہے۔

امریکہ کے علاوہ دنیا کی دوسری بڑی فوجی طاقت روس، تیسری طاقت یورپ اور چوتھی طاقت خلیج کو تو چین ابھی سے گود لئے بیٹھا ہے۔ پانچویں طاقت بھارت، چھٹی طاقت جاپان وغیرہ کو اس پھنئیر سانپ نے اگلے دو چار برس میں ڈس لینا ہے جیسے ابھی چھ ماہ پہلے چین نے اپنے سب سے کمزور جنوبی سمندر میں امریکی ایٹمی آبدوز کو پھڑکا دیا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی امریکی دوربین جیمز ویب کو نشانہ بنانے کی دھمکی دے ڈالی ہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی لیکن ہم یہی سمجھتے رہیں گے کہ یہ نواز شریف کا پلان تھا۔ واہ رے ساڈی عقل ہاہاہاہاہاہا۔۔

تبصرے

فرید زاہد

Stupid write up

ڈاکٹر

فرید زاہد

ہر شخص اپنی عقل اور علم کے مطابق ہی سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بھی تو دنیا میں پائے جاتے ہیں جن کا خیال ہے کہ امریکہ و بھارت چاند پر گئے نہیں بلکہ ڈرامے کر رہے ہیں۔

ناہید اختر

آپ تو ایسے فرما رہے ہیں جیسے پاکستان جیسا ملک پہلے روس اور پھر امریکہ کو پچھاڑ چکا اور اب اسے چین کو نتھ ڈال لینی چاہئیے۔ آپ کی تمسخرانہ ہنسی خود اس بات کی گواہ ہے کہ چین کا طاقت پکڑنا یا امریکی کرنسی کو ہٹا کر اپنی کرنسی لاگو کرنا کوئی اچنبھے کی بات ہے۔ بھائی جی آپ خود فرما رہے ہیں کہ چین کے آگے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکے گی تو پھر پاکستان کا تمسخر اڑا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ممالک کمزور ہوں یا طاقت ور ان کے درمیان معاہدات ہوتے ہیں جو باہمی مفادات پر مبنی ہوتے ہیں۔ مانتے ہیں کمزور ملک کے مفادات یقیناً نہایت کم شاید آٹے میں نمک سے بھی کم ہوتے ہوں تو پھر؟ سی پیک ایک منصوبہ ہے اس کا 9590 فیصد بھی فائدہ چین ہی کو ہو تو بھی آپ اکیلے بیٹھ کر جس طوفان کا مقابلہ کریں گے یا کسی دوسری طاقت کے ذریعے بچاؤ کریں گے۔ جبکہ بقول چین اس کے آگے کوئی طاقت ٹھہر ہی نہیں سکتی۔

لہٰذا اپنی یہ تمسخرانہ ہنسی اپنے پاس رکھئے اور ملک کو کسی رخ پر چلنے دیں۔

ڈاکٹر ناہید اختر صاحبہ جی بہتر محترمہ۔ میرا خیال ہے کہ میاں کو ذہن سے نکال کر آپ کو یہ کالم دوبارہ پڑھنا چاہئیے۔

مومنہ

خانہ خراب ہو ان دلوں کا جنہوں نے اس ملک اور عوام کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کیا ہے کبھی آگے بڑھنے کا سوچا تک نہیں، آج بھی بمشکل میٹرک مسلط کر دیا گیا ہے۔

صبیح

بین الاقوامی سطح پر ہونے معاملات کو سمجھنے کے لیے ہمارے عوام کو روزانہ کی بنیاد میں اپ ڈیٹ رہنے کی ضرورت ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ عوام کو روٹی بجلی گیس پیٹرول کے مسائل میں الجھا کہ رکھا ہوا ہے نواز شریف زرداری و عمران خان کے سیاسی مباحثے میں مصروف رکھا ہوا ہے۔ کہاں سے بین الاقوامی سیاست کو سمجھیں معصوم عوام۔

ڈاکٹر

ہاہاہاہاہاہاہائے معصوم عوام۔

طارق

جی پہلے امریکہ نے ڈسا تھا۔

اب چین ڈس لے گا تو کیا۔

مگر کم از کم چین نے آج کے دن تک امریکہ کی طرح نہ تو کسی ملک سے جنگ چھیڑی ہے، نہ کسی ملک کی زمین پر قبضہ کیا ہے۔ بلکہ وہ صرف کاروبار کے ذریعے اپنا اثر ورسوخ بڑھا رہا ہے۔

ڈاکٹر
طارق محمود

بھیا ہمبنٹوٹا سری لنکا اور لاگوس نائجیریا کی بندرگاہیں کس کے قبضے میں ہیں ذرا پتا کریں۔

فرزانہ
اور مذاق اڑایں میاں صاحب کا۔

ڈاکٹر فرزانہ فیروز
میاں بیچارہ تو چابی والا کھاؤ پانڈھا ہے۔

ثروت
شاباش چین
ایوب یحییٰ اور ضیا کی سرد گرم جنگوں میں غلامانہ چاکری کے بعد امریکہ، اکیلا میدان میں ناچتا مجھے کبھی اچھا نہیں لگا۔ روس نہ سہی چین ہی سہی۔

ڈاکٹر ثروت ادریس چیمہ

جی مادام۔ روس کی حکمت عملی غلط تھی جو ایک دم سے جنگ پر اتر آتا ہے۔ چین نے معاشی جنگ لڑ کر امریکی ڈالر پر مسلسل ضربیں لگانا شروع کر دی ہیں جس سے امریکہ خاصہ بے چین ہے۔

"اک الف اللہ تینوں درکار"

کالم میٹھا سچ 592 از ڈاکٹر سلطان محمود

3 مئی 2023ء

بھارت کے سردار ڈاکٹر ہردیال سنگھ کے بارے دعویٰ ہے کہ وہ اپنے صوبے یا ملک کے نہیں بلکہ دنیا بھر کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ ان کے پاس اکیس ماسٹر ڈگریاں اور چودہ گریجویٹ ڈگریاں ہیں جبکہ بیشمار سرٹیفکیٹس وغیرہ اس کے علاوہ ہیں۔ لیکن ایک عجب بات ان کی کاوشوں میں یہ دیکھی گئی ہے کہ وہ پی ایچ ڈی، ایم بی بی ایس یا ڈی وی ایم نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ڈاکٹر لکھتے ہیں۔

ویسے سردار جی شاباش کے حقدار تو ہو گئے لیکن بائی دی وے وہ کوئی ایسا کام بھی کر سکتے تھے جس سے ان کی ذات کے علاوہ انسانیت کو بھی فائدہ پہنچتا۔ مثلاً ڈگریاں بھلے سے آدھی رہ جاتیں لیکن کسی مہان کی طرح مفاد عامہ کے کام کر کے نام کماتے۔

دوم ایک یا دو پی ایچ ڈی کر لیتے تو دس بارہ ماسٹر ڈگریاں کرنے کی ویسے ہی ضرورت نہ رہتی۔

سوم سارے ایم اے کے مضامین ملا کر چوں چوں کا مربہ اکٹھا کر کے کسی خاص ٹریڈ میں نام پیدا کرنے کی بجائے ایک یا دو ڈاکٹریٹ لے کر کسی خاص موضوع کی تہہ تک پہنچ جاتے تو شاید کسی عالمی ایوارڈ کے لئے چنے جاتے۔ ذرا اندازہ کریں کہ ایک شخص سول انجینئرنگ بھی پڑھ رہا ہے لیکن

ساتھ ہی دفاعی امور اور زبانوں کا علم بھی سیکھ رہا ہے کچھ عجب نہیں؟ اب تو صرف گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ہی اس کا نام آسکتا ہے جہاں یہ دیکھ کر تعجب ہو گا کہ وہیں پر سر سے اخروٹ توڑنے والے کا بھی ریکارڈ لکھا ہوا ہے۔

چہارم، ہو سکتا ہے کہ ان سردار جی نے کچھ کتب بھی لکھ رکھی ہوں لیکن اگر نہیں لکھی تو ثابت ہو گا کہ انہوں نے سب کچھ اپنے ذاتی ریکارڈ کے لئے کیا ہے جس سے کمیونٹی کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا۔

ان کا ریکارڈ دیکھ کر مجھے ایک اور سردار جی کا لطیفہ یاد آگیا ہے کہ وہ جب چور کے پیچھے بھاگے تو چور سے آگے نکل گئے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا؟ تو شرمندگی سے جوب دیا کہ میں سمجھا شاید یہ بندہ مجھ سے دوڑ لگا رہا ہے۔

پنجم، ویسے ان کی تعلیمی مصروفیت سے یہ بھی اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ موصوف نوکری کے دوران کام وام کرنے پر توجہ مرکوز نہیں کر سکے ہوں گے کیونکہ جب فوکس امتحان پاس کرنے پر ہو گا تو کام خاک کرنا ہے۔

ششم، اگر یہ صاحب رٹہ باز نکلے تو پھر اللہ ہی حافظ سمجھیں کیونکہ رٹہ ذہانت کا قاتل ہے۔

ہفتم، اب اگر آج کے دور کا ان کی تعلیمی قابلیت سے تقابل کیا جائے تو ان کی ساری محنت بیکار، وقت کا ضیاع اور اپنی ذات پرستی وغیرہ ہی نکلے گی کیونکہ مصنوعی ذہانت اور گوگل پر ایک کلک ان کی ایک ایک ڈگری سے زیادہ بھاری پڑے گی۔

ہشتم، جب یہ وفات پائیں گے تو ان کا ایک ایک کاغذ ردی کی ٹوکری میں جائے گا اور کسی دوسرے کے کام نہ آسکے گا۔ اور جب تک زندہ ہیں بس تعریفیں سمیٹتے رہیں گے۔

نہم، اب بدلتی دنیا میں ڈگریاں بیکار ہوتی چلی جارہی ہیں کیونکہ یہ سکل ڈویلپمنٹ کا دور ہے لہٰذا سردار جی کو چاہئے کہ کفارہ ادا کریں اور دوبارہ سے میٹرک کر کے کسی بھی ٹیکنالوجی کے ٹیکنیشن بن جائیں اور اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر انسانیت کے لئے کام کریں

"حسنِ شائستگی کی نذر"

کالم میٹھا سچ 593 از ڈاکٹر سلطان محمود

7 مئی 2023ء

محترمہ شائستہ حسن نے ہمارے پچھلے کالم "جیسا منہ ویسی چپیڑ" پر یوں تبصرہ فرمایا ہے "آپ نے بہت تفصیل سے سی پیک منصوبے کی تمام باریکیوں کی وضاحت فرمائی ہے لیکن اس معاملے میں زرداری اور نواز شریف کی موجودگی یا عمران نیازی کی بدنیتی کو کسی بھی طرح نظر انداز کرنا بذات خود ایک صحافتی بددیانتی ہے۔ اس کی مثال کچھ یوں دی جاسکتی ہے کہ اگر کسی کے گھر سے کچھ لینا ہو تو گھر کے سربراہ کی اجازت کے بغیر نہیں لے سکتے۔ اسوقت سربراہ زرداری تھا تو اس کی معاونت سے ہی شروع کر سکتے تھے اور اسی طرح نواز شریف کے دور میں سی پیک کو بڑھایا گیا جبکہ عمران نیازی نے چین اور پاکستان کے مابین معاہدہ کی خفیہ دستاویزات آئی ایم ایف کے حوالے کر دیں جبکہ منصوبہ کے دو اہم ستون یعنی چینی حکام اور پاکستانی فوجی حکام ان تینوں ادوار میں وہی تھے تو پھر سی پیک رول بیک کا ذمہ دار عمران نیازی کے سوا کون ہے اور اب پھر سی پیک کی تثلیث میں عمران نیازی کے مائنس ہوتے ہی سی پیک دوبارہ شروع ہو گیا۔ جو بائیڈن نے عمران نیازی کو فون نہ کر کے بھی تمام فوائد حاصل کر لیے جبکہ شریف برادران کے ادوار میں وہ یہ فوائد حاصل نہ کر سکے تو کیا یہ تمام اشاریے اس جانب توجہ نہیں کرتے کہ عمران نیازی خفیہ امریکی ایجنٹ بھی ہو سکتا ہے"

ہماری جوابی غزل ذرا طول پکڑ گئی اور ہم نے عرض کیا کہ محترمہ پہلے تو یہ تصور درست کر لیں کہ ہم کوئی صحافی نہیں بلکہ محض ٹیکنو کریٹک تجزیہ نگار ہیں اور کافی عرصہ تک اقوام متحدہ و عالمی بنک کے توسط سے بین الاقوامی سطح پر بہت اندر تک کی حکومتی خبر گیری کے باعث آج بھی ماحولیات اور غذائی پیداوار کا جوڑ سیاست سے ہٹ کر نہیں دیکھتے۔ ہاں ہمارے اظہاریے میں کالم نگاری شامل ہے جس کے سبب ہم قریبی سرکلز میں بھی صحافت کا طعنہ برداشت کرتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اکتیس برس قبل یورپ سے غذائی تحفظ جیسے مضمون میں ڈاکٹریٹ کرنے کی وجہ سے ہمیں جن سینکڑوں کتب و تحقیقی مقالوں کا مطالعہ کرنا پڑا نیز جن سترہ ممالک میں کام کا موقع ملا ان میں سے اکثر کا اختتام سیاست اور حکومتوں کی پالیسی سازی پر آن اٹکتا تھا کیونکہ اپنی اپنی عوام کے ہر نفس تک مناسب معیار اور مقدار میں نوالہ فراہم کرنا آخر کار حکومتی کاوشوں پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔

دوم، ہم نے اڑتے اڑتے اور ادھورے سائنسی و سیاسی خیالات کی ہمیشہ تہہ میں غوطے لگا کر ان اسباب تک پہنچنے کی کوشش کی ہے جن سے غلط اطلاعات کا قلع قمع کیا جا سکے۔ اس لئے ڈور کے سرے تک ضرور جاتے ہیں چاہے لمبا پینڈا طے کرنا پڑے۔ اس تمہید طولانی کی روشنی میں ہماری مندرجہ ذیل گذارشات کو تھوڑا سا وقت عنائت فرمائیں اور تحمل سے پڑھیں:

اولاً پاکستان کے ایک سیاستدان کے اختیار میں کیا کچھ ہے اس بارے آپ کے خیالات میں معذرت کے ساتھ کچھ گہرائی نہیں۔ عرض ہے کہ چند باطل تصورات ہم نے مطالعہ پاکستان سے اخذ کر رکھے ہیں نیز ہماری سیاسی پسند ناپسند کی عینک نے ہماری آنکھوں کو ایسے گھیر رکھا ہے کہ ہمیں اپنے

بابے کو اوپر رکھنے کی خواہش ہی جینے نہیں دیتی اور ہم اپنے لیڈر کی گائے کے گوبر کو گاجر کا حلوہ نیز مخالف کے گاجر کے حلوے کو گائے کا گوبر ثابت کرتے کرتے حقائق سے اس قدر دور چلے جاتے ہیں کہ ساری زندگی غلط خیالات میں بسر کر کے ضائع کر دیتے ہیں مثلاً اسی مطالعہ پاکستان پڑھتے رہنے کی بنیاد پر ہم پختہ یقین کر چکے ہیں کہ ملک عزیز کی آزادی کی جدوجہد سیاسی تھی، جان و مال کی قربانی تھی نیز اسلام کو ترقی دینے والی تجربہ گاہ تھی۔

دوم اس مضمون میں گو کہ جگہ نہیں لہٰذا مختصر عرض کر دیں کہ پاکستان کو بنایا اور پچھتر برسوں سے پالا صرف امریکہ نے ہے۔ یہ امریکی برطانوی گورے کا لینن کے انقلاب روس کے وقت 1915ء میں ایک سو سالہ پلان تھا جس کے مقاصد بہت دور رس تھے۔ اور وجہ بالکل واضح ہے کہ برطانوی انگریز نے اپنی سورج نہ غروب ہونے والی سلطنت والے عالمی قبضے پر گرفت ڈھیلی کرتے وقت اپنے اس وقت کے چھوٹے بھائی امریکہ کے ہاتھ میں لگام تھما دی بعینہٖ ویسے ہی جیسے عالمی بدمعاش طاقتیں یا لوکل ڈکیت آگے بڑھنے سے قبل پچھلے مورچے مضبوط رکھنے کی خاطر اپنے کن ٹٹوں کے حوالے کر جاتے ہیں۔

گورا بہت سیانا اور تدبیر ساز تھا اس نے دنیا میں جنم لینے والی عالمی تحاریک کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا کہ جغرافیائی قبضے اور انسانی غلامی کی بجائے صرف سرمائے پر قبضہ برقرار رکھا جائے لہٰذا وہ جس ملک کو بھی آزاد کر کے گیا اس کے سیاستدانوں اور تاجروں سے سرمائے کی ترسیل اپنے ملک کی جانب قائم رکھنے کے لئے انہیں دولت مشترکہ میں پروتا گیا۔ دولت مشترکہ کے پچاس ممالک سے قطع نظر وہ دن اور آج کا دن پاکستان صرف سرمایہ پیدا کرنے کی منڈی ہی رہا لیکن ہمارے سیاہ

ستدان، جنرلز، بیروکریٹس، تاجر، صحافی اور مولوی وغیرہ سرمایہ گوروں کے دیس ہی میں لے کر گئے اور آج بھی زرداری اور نواز شریف سیاستدانوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

سوم، مشرق بعید میں جاپان، مشرق وسطیٰ میں اسرائیل اور مشرق قریب میں پاکستان کو اپنے اڈوں کے طور پر قائم و دائم رکھنے کی خاطر انہیں یہ ممالک دریافت کرنے پڑے۔ گو کہ جاپان پہلے سے موجود تھا لیکن اسے ایٹم بم سے جھٹکا لگا کر اپنا مطیع بنالیا۔

ہندوستان کی ہیئت ترکیبی میں ہندو اور بنگالی میں جفاکشی اور معاملہ فہمی کے سبب تجارت اور جمہوریت کے جراثیم کافی طاقتور تھے لہٰذا وہ تو گورے کے چکر میں آنے سے رہے، سکھ اور پٹھان میں لڑائی بھڑائی اور بغاوت کے سبب گورے ان سے ڈرتے تھے لہٰذا آخر میں بچے پنجابی سندھی و مہاجر جن میں اطاعت گزاری اور ایمان بیچنے کی صفات اس قدر مضبوط تھیں کی گورا کسی پریشانی میں پڑے بغیر ان کے سر پر پاکستان کی چھت دے گیا جس کا ہماری نسلوں کو تو فائدہ در فائدہ ہی ہوا لیکن پاکستان گورے کے چنگل سے باہر کبھی بی نہ نکل سکا۔ ان طبقاتی صفات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گورے نے جنوب مغربی ہندوستان میں اسلام کا شوشہ چھوڑ کر سادہ لوح اور ان پڑھ عوام کو چکمہ دیا اور اس خطہ زمین پر پاکستان تشکیل دے دیا جہاں مذہب کا چورن زیادہ بک سکتا تھا۔ اسی لئے شروع میں ہزار میل کی دوری پر دونوں مسلمان خطوں کو مصنوعی طور پر آپس میں جوڑ کر پاکستان کا نام دے دیا جسے بعد میں آسانی سے جدا کر کے صرف موجودہ پاکستان پر فوکس رکھنا مقصد تھا تا کہ بیک وقت بھارت، افغانستان، ایران، روس اور اب چین پر نظر رکھی جا سکے۔ امریکہ کی محض ایک غلطی نے اسے اس خطے میں بے حد کمزور کر دیا ہے اور وہ یہ کہ وہ چینیوں کو اپنجی سمجھ کر

پچھلی صدی کے آغاز میں نظر انداز کر کے آج عالمی سطح پر شکست کھانے کے قریب پہنچ گیا ہے۔ ہندوستان ایک بہت بڑا ملک تھا جو اگر پلٹ پڑتا تو خطے میں امریکہ کے پرخچے اڑا سکتا تھا اس لئے اسے بھی توڑنا ضروری سمجھا گیا۔ ہمارے ملک کی آزادی کا تیسرا مقصد بہر حال وہی تھا جس کا پہلے بھی ذکر ہوا ہے کہ سوویت یونین کی توڑ پھوڑ کر کے اس کے کمیونزم کو اس طرح برباد کرنا کہ یہ معاشی نظریہ یہودی کے سرمایہ دارانہ مزاج کے آڑے نہ آئے۔ اور یہ تو آپ کو یاد ہی ہو گا کہ امریکہ نے یہ کام ہم سے سو کی بجائے باون برس ہی میں لے لیا۔

جغرافیائی تقسیم کے مقصد کی تکمیل میں تمام مسلم سیاسی اکابرین بشمول قائداعظم کے گرد یوں شکنجہ کسا گیا کہ تمام فیصلے اپنی مرضی کے کرواتے چلے گئے ورنہ ایک انتہائی دانشور اور مستقبل بین قائداعظم دو الگ خطوں والا ملک قبول کرتے بھلا؟ ان کے گرد جاگیر دار لپیٹ دیئے گئے جنہوں نے گورے کا کام نکال کر قائد کو ادب و احترام سے زیارت کے رستے کراچی کے قبرستان تک پہنچا دیا۔ ایک سوال کا جواب آپ سے بھی مطلوب ہے۔ ذرا پورا سوچ کر بتائیں کہ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے "نظریاتی" ملک کے خلاف سارے ہی علمائے ہند کیوں تھے بالآخر؟

چوتھا نکتہ جس پر آپ نے زیادہ نکتہ چینی کی ہے وہ سی پیک کا معاملہ ہے اور فرض کر لیا کہ چینی سیاستدان اور ہمارے جنرلز تو وہی تھے لہٰذا سی پیک کو نواز شریف اور زرداری نے چلنے دیا اور عمران اسے روکتا رہا۔ مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ کیا عمران سمیت سبھی سیاسی حکمران جنرلز پر اس قدر اختیارات رکھتے تھے کہ وہ چینی برین چائلڈ سی پیک پر فیصلے لے سکتے؟ ماسوائے بھٹو کے دو ایک

ابتدائی برسوں کے جس نے بھی بوٹ کو ٹھوکر ماری وہی چاٹنے پر مجبور ہوا بلکہ بھٹو کی ٹھوکر تو اسے تختہ دار تک لے گئی۔ اس کی تفصیل ہمارے سابقہ کالم میں درج ہے۔

پانچواں نکتہ اب تاریخ کا مسلمہ حصہ ہے اور ہمارے تجزیے کا حاصل کہ گورے نے جاتے سمے عنان اقتدار جاگیر دار کے حوالے کی جس نے ازاں بعد ملک میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لئے فوج کو محب زمین جنرلز دیئے، معیشت کو ظالم سرمایہ دار دیئے، مذہب کو بکاؤ ملاں دیئے، جمہوریت کو لالچی سیاستدان دیئے انتظامیہ کو مفاد پرست نوکر شاہی دی اور یوں ملک کی پوری معیشت اور انتظام پر قبضہ جمالیا۔ ان ہی کی کوکھ سے ایوب، ضیاء اور مشرف نکلے، بھٹو، زرداری، نواز شریف اور عمران نکلے۔ سبھی مولا نے نکلے، اور پھر ان سب پر لڑنے مرنے کے لئے گمراہ عوام نکلی۔ یہ شاید واقعی ہماری "صحافتی" بددیانتی ہے کہ ہم تمام سیاہ ستدانوں پر تو کھل کر تنقید کرتے ہیں لیکن عمران کو کبھی کبھی شک کا فائدہ دے دیتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ اس کا خاندانی پس منظر دیگر چھچھوروں سے ذرا مختلف ہے اور ابھی تک یہ نواز شریف اور زرداری جتنی دولت اپنے گورے آقا کے گھر دان کر کے نہیں آیا۔ یہی شامت اعمالی ہمیں دیار غیر میں بسنے پر مجبور کر گئی ہے۔ جہاں محنت ہی محنت ہے پاکستان جیسی عیاشی نہیں۔

اپنے غموں سے بھاگ کر ہم جس طرف گئے۔۔۔

ہر سمت ایک غم کا سمندر کھلا ملا۔۔۔

"پاؤں میں بلیلاں"

کالم میٹھا سچ 594 از ڈاکٹر سلطان محمود

20 مئی 2023ء

ہمیں بچپن سے ہی مشاہیر سے ملنے کا بڑا شوق تھا اور پورا یوں ہوتا رہا کہ نانا ابا اور چچا جان چونکہ خود اپنے وقت کے مشاہیر تھے لہٰذا ان کی وساطت سے بیشمار اہم شخصیات سے ملاقات رہی اور جہاں ممکن ہوا آٹو گراف بھی لے لئے۔ لائلپور میں رہائش ڈی گراؤنڈ کے نزدیک پیپلز کالونی جیسے پوش علاقے میں تھی جہاں اہم سیاہ ستدان لازماً دورہ کرتے تھے۔ لاہور میں رہائش ندیم شہید روڈ پر ہونے کے باعث سمن آباد کی فلم نگری کے فلمی ستاروں کا جھرمٹ بھی نصیب میں لکھا تھا۔

1974ء کے عام انتخابات، 1974ء کی لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس، آسٹریلیا، بھارت اور سری لنکا کے 1970 1974 کرکٹ ٹیموں کے لاہور اور لائلپور کے دورے اور پاکستان ہاکی ٹیم کی اولمپکس میں کامیابی، 1977ء میں بھٹو کے خلاف پی این اے کی تحریک نیز 1988ء کے بعد کئی برس یورپ و امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے جیسے کچھ ایسے سنہری موقعے ہمیں ملے کہ ہم نے مذہبی اکابرین کے علاوہ، سیاہ ستدانوں، ادباء، شعراء، کھلاڑیوں، اور فلمی ستاروں میں سے لگ بھگ سو سے زائد مشاہیر سے تردد کر کے ملاقات کی سوائے نوابزادہ نصر اللہ خان اور نور الامین کے کیونکہ ان سے ملاقات پڑوس (726 بی) میں انکل اکرام محی الدین کے گھر پر ہی ہو گئی تھی یا پھر ایوب خان اور سردار قیوم خان جو خود ہمارے سکول تشریف لائے تھے۔

ہمیں یاد ہے کہ 1974ء میں آسٹریلوی کرکٹ ٹیم کے لئے لائلپور میں ورلڈ کلاس ہوٹل نہ ہونے کے باعث ٹھہرنے کے لئے پی سی بی کو ہمارے سوتر منڈی کے شیخ دوستوں کی تین کوٹھیاں واقع اے بلاک پیپلز کالونی ایک مہینے کے لئے کرائے پر لینا پڑیں۔ ہم وہاں پیدل کے فاصلے پر 728 بی بلاک میں رہتے تھے۔ وہاں آسٹریلیا، سری لنکا اور بھارتی کرکٹ ٹیموں کے تقریباً سبھی کھلاڑیوں سے ملاقات رہی بمعہ پاکستانی ٹیم کے جاوید میانداد، سرفراز نواز اور عمران خان کے۔ پھر اسی سال پاکستان ہاکی کا اولمپک جیتا تو ہم نے لائلپور میں ڈھول باجوں کے ساتھ ان کا بھرپور استقبال کیا۔ بلکہ دو اولمپئین ڈاکٹر غلام رسول چوہدری اور طارق عزیز ہمارے استاد بھی تھے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں۔ آج اتفاق سے بھارتی کرکٹرز چیتن چوہان اور چندر شیکھر کے علاوہ سری لنکن کرکٹرز ڈی سلوا اور ستیش کے آٹوگراف پر نظر پڑی تو سارا بچپن اور جوانی کے ابتدائی ایام یاد آ گئے۔

ابتدائے جوانی میں ایک بار ہمارے ماموں جان نے چڑانے کے لئے ہمیں کنوئیں کا مینڈک کہہ کر سارے مینڈکوں کی توہین کر دی اور ہمارے چھوٹے بھائی ہمایوں کی مثال دی جو اس وقت یونانی جہاز میں نوکری کے باعث افریقہ سے امریکہ تک سیریں کر رہا تھا۔ یہ طنز ہمیں چبھ گیا اور ہم نے ایک روز نماز جمعہ کے بعد اللہ سے دنیا گھومنے کی فرمائش شکوے کے انداز میں کر ڈالی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے چند ہی برس بعد بھائی پاکستان آ گیا اور آج تک دوبارہ کہیں نہیں جا سکا جبکہ ہمارے قدم پاکستان میں تب سے ٹکے ہی نہیں۔

اسی شوق کے تحت اپنے ملک کے اندر اور بیرون ملک تعلیم کے دوران اپنے اساتذہ اور دوستوں کو ہم بھلا کیسے بھول سکتے تھے لہٰذا وقت کے ساتھ ٹیکنالوجی کی ترقی نے پھر ہمیں آٹوگراف سے آگے

تصاویر اور وڈیو کلپس بنانے کا بھی موقع فراہم کر دیا ہے۔ ہم 1970ء میں بھی سیلفی لینے کے ماہر تھے جب یاشیکا اور کوڈک کیمرے کو سٹینڈ پر لگا کر شٹر دباتے اور تیس سیکنڈ کے اندر بھاگ کر اپنی پوزیشن پر کھڑے ہو جاتے۔ اور یہ شغل اپنی پیشہ ور زندگی کے ساتھ ساتھ اب بھی چلتا رہتا ہے۔ اب ہم سوچ رہے ہیں کہ کسی فارغ وقت میں ان 76 شہروں اور وہاں ملنے والے لوگوں کی ایک فہرست بھی مرتب کر دی جائے جو نصف سے زائد مکمل ہو بھی چکی ہے۔

اللہ کے کرم سے ہم نے جن شہروں میں ذرا زیادہ قیام کیا انکی فہرست یہ ہے۔ (1۔ پاکستان) لائلپور (فیصل آباد)، لاہور، قصور، شیخوپورہ، مری، راولاکوٹ، اسلام آباد، راولپنڈی، سیالکوٹ، نارووال، سرگودھا، بہاولپور، بہاولنگر، کوئٹہ، کراچی، گوادر، حیدرآباد، شہداد کوٹ، سکھر، دادو، اوکاڑہ، ملتان، ساہیوال، کوٹ ادو، چکوال، پنڈ دادنخان، مظفر آباد، پشاور، چترال، لاڑکانہ، ڈیرہ مراد جمالی، راجن پور، اوستہ محمد، لورالائی، بارکھان، ڈیرہ بگٹی، قلعہ سیف اللہ، بیلہ، اوتھل، ساند، حب، ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان، عیسیٰ خیل، گجرات، جہلم، ہیڈ رسول، وزیر آباد، میر پور، میانوالی، ایبٹ آباد، داسو، بھاشا، رحیم یار خان، گھوٹکی، ٹنڈو جام، بدین، پاکپتن، کوٹلی، وہاڑی، اٹک، چونیاں، (2۔ پولینڈ) ووجھ، وارسا، اولشتین، بیاوے سٹاک (3. بھارت) دہلی، آگرہ، (4۔ پیرو) لیما سول، (5۔ امریکہ) نیویارک، بروکلین، مین ہیٹن، نیو جرسی، واشنگٹن ڈی سی، لاس اینجلس، ریورسائیڈ، پیرس، لینگسٹن، ورجینیا، لانگ آئی لینڈ، (6۔ ڈنمارک) کوپن ہیگن، اوڈنسے، فاولم، (7۔ سویڈن) مالمو، اپسالا (8۔ جرمنی) مشرقی برلن، مغربی برلن، بون، لائپسش، ایش بورن، (9۔ سپین) میڈرڈ، (10۔ چیکوسلوواکیہ) پراگ، براتی سلاوا، (11۔ ہنگری) بوڈاپسٹ، بارانیا (12۔ برطانیہ) لندن، ایبرڈین، (13۔ امارات) دبئی، ابوظہبی، شارجہ، (14. سعودیہ) مکہ، مدینہ،

دھران، (15. ترکی) استنبول، (16۔ روس) ماسکو، لینن گراڈ، (17۔ آسٹریا) ویانا، (18۔ سوئزرلینڈ) جنیوا، لوزرن، (19۔ ہالینڈ) ایمسٹرڈیم، ہیگ، نوٹرے ڈیم اترخت، و خننجن، (20۔ فرانس) پیرس، (21۔ افغانستان) کابل، جلال آباد، (22۔ ایران) شیراز، (23۔ نیپال) کھٹمنڈو، (24. چین) بیجنگ، کاشغر، شنگھائی وغیرہ ملا کر دنیا کے 25 ممالک کے 120 شہروں کی آوارہ گردی کر کے ایک سچے برج قوس ہونے کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں۔۔۔

جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے۔۔۔!!

تبصرے

سجاد بخاری

ماشاء اللہ ڈاکٹر صاحب۔ زبردست۔ متاثر کن بھی۔ آپ محض لسٹ ہی نہ بنائیں کچھ واقعات جو آپکے پردۂ ذہن پر سلامت ہوں انہیں تحریر کا جامہ پہنائیں۔ ایک سفر نامہ بھی ترتیب دینے کی کوشش کریں پلیز۔

ڈاکٹر

شاہ صاحب دل تو بہت چاہتا ہے لیکن پردہ ذہن پر دھندلکوں کے باعث ہمیشہ ان واقعات میں

جھوٹ کی آمیزش کا خطرہ رہے گا اور دوم مجھے اگر کسی کی مدد حاصل ہو جائے تو شاید ایسا کر بھی گزروں۔

میں آج کل چونکہ دیارِ غیر میں بسنے کی جدوجہد میں پچھلی تمام زندگی کے ریکارڈ کو کھنگال کر تلف کر رہا ہوں تو پاسپورٹ کی آٹھوں کاپیوں پر لگے ویزوں نیز ائیر ٹکٹس وغیرہ کی موجودگی سے سفر نامے کی تاریخ بھی ساتھ ساتھ درست ہوتی جا رہی ہے۔ اس کاوش سے موجودہ تحریر لکھنے کے بعد انکشاف ہوا کہ سترہ ممالک تو محض وہ تھے جہاں مجھے تعلیم و نوکری کے سلسلے میں جانا ہوا لیکن اس کے علاوہ سات ممالک کے بہت سارے ایسے شہر بھی تھے جہاں مختصر قیام ہی ہو سکا۔ اس طرح کی بطوطہ گری میں کل ملا کر 25 ممالک کے 120 شہر ریکارڈ سے ثابت ہو گئے ہیں۔

اپنی مرضی کے کہاں اپنے سفر کے ہم ہیں۔۔۔
رخ ہواؤں کا جدھر کا ہے ادھر کے ہم ہیں۔۔۔!

"تو بھی ڈاکٹر، میں بھی ڈاکٹر"

کالم میٹھا سچ 595 از ڈاکٹر سلطان محمود

3 جون 2023ء

کل کے اخبار میں ملک عزیز میں جاری صحت کے ظالمانہ نظام کی ایک تصویر چھپی ہے جس میں سرگودھا میں لیڈی ڈاکٹرز کی 11 عارضی آسامیوں کے لئے 1200 کوالیفائیڈ لیڈی ڈاکٹرز ایک تنگ سی راہداری میں اپنی باری کے انتظار میں کھڑی ہیں اور ڈر لگ رہا ہے کہ اگر کسی امیدوار کا دم گھٹ گیا تو وہ شاید موت سے پہلے باہر نہ نکل سکے۔

اس المیہ داستان کی ابتدا 1974ء میں بھٹو صاحب کی جانب سے ملک میں سترہ میڈیکل کالجز کھولنے سے ہوتی ہے بغیر پلاننگ کے۔ عوام کو طبی سہولیات کیسے ملیں گی یہ سوال تو ایک جانب، اس اہم ترین معاملے کا بھی جائزہ نہیں لیا گیا کہ جب ڈاکٹری پیشے میں بے روزگاری بڑھے گی تو کیا بنے گا؟

پھر مشرف کا دور آیا تو احمقانہ انداز میں دھڑا دھڑ پرائیویٹ میڈیکل کالجز بھی کھل گئے کیونکہ سرکاری کالجز کا میرٹ اتنا اوپر چلا گیا کہ بیشمار امیر خاندانوں کے بچے سیلف فنانس پر ڈاکٹر بن گئے۔

پھر اگلے تین جمہوری ادوار میں ملک میں ایسے لاکھوں ڈاکٹرز کا بھی اضافہ دیکھنے میں آیا جو چین و روس سے ڈاکٹر بن کر اس بے روزگاری کے سیلاب کے بند توڑنے لگے۔

مذکورہ تصویر جو بچیاں نظر آرہی ہیں وہ تقریباً سب کی سب اس مقدس پیشے کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیں گی۔ اور پھر ہم نے انہی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ 95 فیصد خواتین ڈاکٹرز اپنے مقدس پیشے ہی کو خیر باد کہہ کر سسرال جابستی ہیں اور باقی عمر باورچی خانے میں گزار دیتی ہیں۔

اور ظلم کی انتہا بلکہ نااہل حکومتوں کی مزید حماقتیں کہ میڈیکل کالجز میں لڑکیوں کی سیٹیں مخصوص کرنے کی بجائے اوپن میرٹ کا رواج چل نکلا جو انسانی حقوق کے لحاظ سے تو درست ہے لیکن پاکستان کے تزویری نقشے میں فٹ نہیں بیٹھتا۔ لہٰذا کیا ہوا کہ پوری پوری فیملی کے کفیل لڑکے میرٹ میں آنے سے محروم رہنے لگ گئے کیونکہ لڑکیاں بہتر رٹے کے سبب زیادہ نمبر لے کر ان سے نشستیں چھینتی چلی گئیں لیکن بعد میں اپنے خاندانوں کا سہارا بھی نہ بنیں اور بد قسمتی سے محض بچے پیدا کرنے کی مشینیں بن کر رہ گئیں۔

ایک ڈاکٹر بنانے پر آج کے حالات میں ہاؤس جاب ملا کر اوسطاً سات برس میں ریاست کا کم و بیش ایک کروڑ روپیہ خرچ اٹھتا ہے جو لیڈی ڈاکٹرز کی مد میں نوے فیصد ضائع ہو جاتا ہے۔

ابھی مرد ڈاکٹرز کے المیے کا ذکر نہیں ہو رہا۔ جن کا ساٹھ فیصد بھی بے روزگار رہ جاتا ہے اس المیے کے باوجود کہ دیہات کی سطح پر تو دور دور تک کوالیفائیڈ ڈاکٹر نہیں ملتا۔ وجہ کہ ڈاکٹر بن کر مرد ہو یا خاتون اپنے ہی گاؤں یا دور دراز جگہوں پر پوسٹنگ پسند نہیں کرتے جس کی کئی جائز وجوہات میں

سے ایک یہ ہے کہ نالائق حکومتیں اپنی سیاسی بندر بانٹ میں اتنی مصروف رہتی ہیں کہ قومی سطح پر آبادیاتی پھیلاؤ روک نہیں پاتیں۔

پھر یہ بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے نیویارک اور کوپن ھیگن میں دیکھا کہ ڈاکٹر ٹیکسی چلاتے اور عمارت کی تعمیر میں مزدور بنتے پائے گئے۔ نیز اندرون ملک سی ایس ایس کر کے پولیس اور دیگر نوکر شاہی میں جا گھسے اور اپنی ڈاکٹری کی الف بے بھی بھول گئے۔

ان سب المیوں نے جب مل جل کر طبی نظام کو ایک مقدس پیشے سے قعر مذلت میں جا پھینکا اور تجارت بنا کر ایک لاش میں بدل دیا تو اس لاش کو نوچنے کے لئے کچھ خون آشام گدھ بھی اس مردار پر آن لپکے اور محض ڈاکٹر کہلوانے کے شوق میں مبتلا احمق عوام میں انتہائی غیر معیاری پرائیویٹ ایسے کالج بھی رواج پا گئے جو حکیم کو بھی ڈاکٹر بناتے ہیں انتہائی لاعلم ہومیوپیتھ کو بھی ڈاکٹر کہلواتے ہیں۔ یہ "ڈاکٹر" گلی محلوں میں بیٹھ کر غریب مریض کی کند آلات سے کھال اتارنا شروع ہو گئے ہیں لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حکیم جب ڈاکٹر کہلوانے کا شوق پالتا ہے تو بالفاظِ دیگر اپنے معزز ایریوویدک نظام پر لعنت بھیج رہا ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ ان میں فارماسسٹ اور فزیوتھراپسٹ بھی شامل ہوتے گئے اور اب ہر گلی محلے میں مستند اور کوالیفائیڈ ڈاکٹر ہو نہ ہو ایک اتائی ڈاکٹر ضرور موجود ہوتا ہے۔ پھر یہ سبھی مافیاز ایک کارٹل میں ڈھل گئے ہوئے ہیں اور ایسوسی ایشنز بنا کر احتجاج کرنے والوں کی عدالتی زبان بندی کی کوشش کرتے ہیں۔

ذہن میں رہے کہ انسان کا اصلی معالج کوالیفائیڈ ایم بی بی ایس ڈاکٹر بطور فیملی فزیشن ہی ہوتا ہے۔ اصلی اور کھرا ڈاکٹر تو خیر بلا شرکت غیرے پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہے لیکن ان میں سے زیادہ تر اساتذہ یا کنسلٹنٹ ہوتے ہیں اور براہ راست معالج نہیں ہوتے۔ ہاں پیسہ کمانے کے لالچ میں پڑ کر پریکٹس شروع کر لیں تو بات ہی الگ ہے۔

مزید طوالت سے بچنے کی خاطر ابھی ہم "اصلی تے وڈے" ڈاکٹروں کے ان مظالم کا ذکر نہیں کریں گے جو چند بھیڑئے فارما انڈسٹری سے براہ راست مل کر اور انجمنیں بنا کر ذاتی مفاد کی خاطر کام کرتے ہیں کیونکہ اس کا ذکر ہم چند سال قبل کے دو کالمز "ایک میڈیکل کانفرنس کا آنکھوں دیکھا حال" اور "اصلی ڈاکٹر معالج نہیں ہوتا" میں کر چکے ہیں۔

ان تمام المیوں کو جنم دینے والی ایک ہی ماں ہے اور باپ پیسہ ہے اور وہ ماں ہے عالمی سطح پر جنم لینے والا سب سے بڑا مافیا یعنی فارما انڈسٹری جو چاہے تو کوویڈ لے آئے اور چاہے تو زندگی بچانے والی ادویات بند کر کے عوام کی جان لے لے۔ اس عالمی مافیا کے سامنے دنیا کے دو سو ممالک کی حکومتیں بھی ڈھیر ہیں۔

"یوتھیا اور عمرانڈو"

کالم میٹھا سچ 596 از ڈاکٹر سلطان محمود

4 جون 2023ء

ہمارے ایک ورچوئل دوست فرماتے ہیں کہ پٹواری اور جیالے کی طرز پر یوتھیا کی اصطلاح بھی قابل قبول سمجھیں جانی چاہئے۔ ہماری وضاحت پر بھی مصر ہیں کہ انہیں بھی درست مانا جائے لیکن جب وہ "تہذیب اور پاپولر" کی خود ساختہ بحث میں پڑنے لگے تو ہم وقت کی قدر کرتے ہوئے ہاتھ باندھ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ہم نے عرض کیا ہے کہ اگر مستند اصطلاحات کی تعریف یہ ہے کہ گالی کو مروڑ کر بار بار دہرایا جائے تو یہ بات نہ تو مغرب جیسے مہذب معاشروں میں قابل قبول ہے اور نہ ہمارے جہالت بھرے معاشرے کے مٹھی بھر مہذب لوگوں کا شیوہ۔ اگر غلط العام کو سند کا درجہ دے دیا جائے تو پولیس کو چھلڑ، نالائق کو علامہ، غائب دماغ یا جنسی فارغ کو پروفیسر، ڈاکٹر کو قصائی، عینک والے کو انہا، ایم کیو ایم کو بوری بند، صحافی کو لفافہ یا دانشور اور دینی علم والے کو ملا بھی کہنے کی اخلاقی اجازت دینی پڑے گی جو بہر حال بداخلاقی ہی سمجھی جائے گی۔ اہل علم کو ایسی واہیاتیوں کا سدباب کرنا چاہئے نہ کہ اپنی مہر اور سند بھی عطا کر دیں۔ برطانیہ میں بھی کنزویٹو اور یونینسٹ پارٹی کو سنجیدہ لوگ ٹوری پارٹی نہیں کہتے۔

ویسے ایک واہیات سیاسی گروہ نے پنجابی کی دو تیز رفتار گالیوں (...وتیا اور ۔۔۔انڈو) کی پیروڈی میں عمران کے حامیوں کے لئے یوتھیا اور عمرانڈو جیسے الفاظ ایجاد کئے جنہیں مختلف سیاسی حکومتوں

کی سرپرستی میں مہمیز لگا کر یوں برق رفتاری سے پھیلایا گیا کہ لگتا تھا پورے ملک میں بس اب دو ہی گروہ ہیں یعنی پہلا یوتھیا اور عمرانڈو گروہ اور دوسرا اصلی گالیوں والا گروہ۔

ہمیں تو معلوم ہے کہ پٹواری اور جیالے کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور اتنی سچی تعریف ہونے کے باوجود ہم نے اپنی کسی تحریر میں یہ الفاظ استعمال نہیں کئے ماسوائے ایسی وضاحتوں کے جیسے ہم اب کر رہے ہیں لیکن افسوس کہ جہالت کی عمومی نشانیاں ہمارے ہاں بدرجہ اتم موجود ہونے کے سبب ہمارے تیز رفتاری سے سستی شہرت حاصل کرنے کے "نابلد اہل علم" بھی ایسے الفاظ استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور عوام کا "تراہ" نکالنے کے لئے "notables" بننے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ہم دو پرانے دوست یہ الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے گنوا چکے ہیں۔

"قوم کی جعلی بیٹی"

کالم میٹھا سچ 597 از ڈاکٹر سلطان محمود

13 جون 2023ء

پیشتر اس سے کہ دوستوں کا ذہن کسی مشہور پاکستانی شخصیت کی جانب مڑ جائے ہم وضاحت کر دیں کہ یہ ایک ایسی متنازعہ پاکستانی نژاد امریکی لڑکی کا ذکر ہے جس کے دورہ پاکستان کے دوران سوشل میڈیا پر واویلا مچانے پر ہم انہیں مظلوم سمجھ بیٹھے اور ہمدردی کے دو بول لکھ بیٹھے۔ ان کی اکثر اوٹ پٹانگ پوسٹوں سے ہمیں شک پڑ رہا تھا کہ ان کے دماغ کی شاید کوئی کل ڈھیلی ہے لیکن مصنوعی ذہانت کی دنیا کا وہ چونکہ واقعی ایک درخشندہ ستارہ ہیں اس لئے ہم نے ان کی اصلیت جاننے کے لئے سچ پر مبنی ایک تبصرہ لکھ مارا اور پھر واقعی کسی فلاسفر کی یہ بات سچ لگنے لگی جس نے کہا تھا کہ "جب تک آپ چپ رہتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ یا تو آپ جینئس ہیں یا انتہائی احمق لیکن پھر آپ کے بولتے ہی لوگ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں"۔

وہ قوم کی "بیٹی" پہلے پہل مصلے، تسبیح اور قرآن کریم کے ساتھ بغیر اپنی تصویر کے روزانہ فیس بک پر نظر آتی رہیں اور واقعتاً بسا اوقات کافی عقل کی بات بھی ان کے منہ سے نکل جاتی تھیں۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ انہوں نے پہلے اپنی پشت سے سراپا دکھانا شروع کیا پھر ہاتھ اور بال اور آج صبح اپنا ماتھا اور آنکھیں دکھانے پر اتر آئیں۔ ساتھ ہی ان کے ارد گرد پھیلے پونڈوں کا ستائشی اور ٹھرکیہ شور امڈ پڑا۔ ہم نے ان بیٹی کی اصلیت جانچنے کے لئے کہیں یہ لکھ دیا کہ "آپ جس طرح بائی پارٹس

سامنے آ رہی ہیں اس سے آپ اپنے اوپر لگی خود ساختہ مذہبی چھاپ کو شکست دینے میں انشاء اللہ ضرور کامیاب ہو جائیں گی۔ غصہ کرنے کا پیشگی شکریہ اور نہ کرنے پر پیشگی حیرت"

بس پھر فوراً ہی بلی تھیلے سے باہر آ گئی اور انہوں نے دوسروں کے کرتوت بھی ہمارے سر منڈھتے ہوئے یوں ہماری عزت افزائی کی کہ "آپ جیسے لوگ اللہ کو مسجد یا مصلے پہ ڈھونڈتے ہیں عموماً یا پھر کعبے جا کر پھیرے لگاتے ہیں۔ پہلے مذہب کا مطلب سمجھ لیجیے پھر بات کیجیے۔ اور ہاں ایسی باتیں وہی کرتے ہیں جنکی سلامتیوں کا جواب انباکس میں نہ دیا جائے تو وہ جلن پھر ایسے ہی نکالتے ہیں۔ ویسے میں نے پی ایچ ڈی جاہل بہت دیکھے ہیں۔ اور فیسبکی مفتی تو بہت ہی منڈلا رہے ہیں یہاں جنکو گھر کوئی خاتون گھاس نہ ڈالے تو پھر وہ مولوی کا روپ دھار لیتے ہیں اور خود پہ مذہبی چھاپ لگانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں" اور ساتھ ہی انہوں نے ہمارے جواب پر پابندی لگا دی۔

ماشاءاللہ زیرک دوست سارا معاملہ سمجھ ہی گئے ہوں گے اور یہ بھی جان گئے ہونگے کہ اس بٹی کے ہمارے جواب پر پابندی لگانے کا مطلب صاف یہی نکلتا ہے جیسے کھسیانی بلی کا کھمبا نوچنے پر نکلتا ہے کہ اب ہم جیسا ڈاکٹر ان کی پوری پوری سرجری کر کے رکھ دے گا۔ اب ہم اپنے پر سنسر لگائے گئے جواب کو قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود ہی انصاف سے جو بھی سمجھنا چاہیں سمجھ لیں۔

ہم نے لکھا کہ "بہت افسوس ہوا یہ جواب پڑھ کر۔ میں یہی جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ آپ واقعی سکالر ہیں یا بہروپ بھر کر ڈھونگ رچا رکھا ہے؟

دیگرے معلوم نہیں آپ کن کنٹٹوں کی بات کر رہی ہیں جو آپ کو انباکس میسج میں کچھ درخواستیں کرتے رہتے ہیں۔ میں نے آپ تو کیا جو کسی شمار میں بھی نہیں، کسی ذرا سے یا زیادہ اہم شخص کو بھی ایسے انباکس نہیں کئے جس سے ٹھرک کی بو بھی آئے اور کل کو چھچھورے لوگ میرے منہ لگیں۔

سوم اللہ اللہ کی جعلی رٹ آپ جیسے منافقین لگاتے ہیں جو ایک جانب سوشل میڈیا پر تہجد اور تسبیح دکھاتے ہیں اور دوسری جانب تھوڑا تھوڑا کر کے اپنا جسم بھی دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جنہیں اتنا بھی دینی شعور نہیں کہ دین نے ان پر اپنی شرائط رکھی ہیں اور وہ احمق دین میں اپنا گند ڈال کر صبح و شام گناہ کماتے رہتے ہیں۔ بقول اقبال "باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے" نیز بقول اکبر الہ آبادی "مغربی ذوق ہے اور وضع کی پابندی بھی۔۔۔۔ اونٹ پہ بیٹھ کے شیخ چلے تھیٹر کو"

چہارم آپ کے بدنصیبی کہ آپ کے ارد گرد پی ایچ ڈی ان پڑھ، فیسبکی مولوی یا مفتی یا آپ کی دم اٹھا کر چلنے والے مچھندر رہے ہیں۔ جو ایک آدھ سمجھدار رہے ہوں گے انہیں آپ کی گھریلو تربیت والی بدزبانی لے ڈوبی۔ اب جا کر میں سمجھ پایا ہوں کہ جن کے غلط رویے پر آپ نے دورہ پاکستان کے دوران فیس بک پر ہاہاکار مچائی تھی وہ بھی شاید آپ کے غیر متوازن دماغ اور بدتمیزی کا ہی شکار ہوئے ہوں گے کیونکہ آپ کے ٹسووں پر ترس کھا کر میرے جیسے جہاں دیدہ بھی دھوکہ کھا گئے اور آپ کو ناصرف مظلوم سمجھتے رہے بلکہ غلط فہمی میں یہ بھی سوچ بیٹھے کہ آپ قوم کی کوئی ہونہار بیٹی ہیں جسے ہمدردی چاہئے۔ جبکہ حقیقت میں ہمیں تبھی پتا چل جانا چاہئے تھا کہ آپ مغروری کا شکار ایک فیک کردار ہیں۔ اور مذہب کے پردے میں ملفوف ایک منفی اور منافق شخصیت ہیں۔

میں نے ریمارکس میں قبل از وقت ہی لکھ دیا تھا کہ "غصہ کرنے کا پیشگی شکریہ اور نہ کرنے پر پیشگی حیرت"۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ سچ بات پر غصہ کرنے والے حقیقت میں جعلی لوگ ہوتے ہیں نیز میں جس طرح آپ کو فاتر العقل جان چکا تھا اس پر واقعی مجھے حیرت ہوتی اگر آپ بلا سوچے سمجھے بد تمیزی پر نہ اترتیں۔

اب چونکہ میں نے آپ کو کھل کر تھیلے سے باہر آنے پر مجبور کر دیا ہے اس لئے میری پیشین گوئی بھی سن لیں اور پھر مجھے بلاک کر دیں اور وہ یہ کہ آپ کو عنقریب ہی کسی وقت دماغی امراض کے ہسپتال کے چکر بھی کاٹنا پڑ سکتے ہیں۔

اللہ ہم سب کو ہدایت دے اور یہ بھی سمجھنے سے سرفراز فرمائے کہ غیر شائستگی کا رویہ نہ مذہب میں قابل قبول ہے، نہ دین کی تربیت ہے اور نہ ہی زمانہ جدید میں قابل ستائش۔ رب راکھا۔

"ہدیہ تبریک" (قسط اول)

کالم میٹھا سچ 598 از ڈاکٹر سلطان محمود

13 جون 2023ء

12 جون کو شدید گرم موسم میں ان تمام خواتین و حضرات کا میری جانب سے تہہ دل سے شکریہ جنہوں نے ہماری عزت افزائی میں گرمی کی کلفت برداشت کی۔ ہماری جانب سے سمع خراشی کو تحمل سے سنا اور وینیو کی اچانک تبدیلی سے ہونے والی مشکلات کو بھی سہا۔

صدیوں کا وقار سنبھالے ہوئے دیال سنگھ کالج کے کمیٹی روم میں بنفس نفیس پہنچ کر 34 خواتین و حضرات نے شرکت فرمائی جن کے جذبہ حصول علم اور مثبت رد عمل نے ہمارا حوصلہ مزید جوان کیا کہ ہم آئندہ بھی ایسے علمی، تربیتی و تنظیمی فورم منعقد کرتے رہیں۔ ان کے علاوہ پانچ پروفیسرز اور کنسلٹنٹ خواتین و حضرات ہمارے پہلے سے اعلان کردہ ہال میں جا پہنچے جسے خالی پا کر مجھے شکایتی فون کئے کہ جگہ کی تبدیلی کا انہیں بروقت کیوں نہ بتایا گیا۔ چار دوست چونکہ پنجاب یونیورسٹی کے اندر ہی سے تشریف لائے تھے اس لئے ان کے موڈ کی خرابی کو تو میں نے فون پر ہی ٹھیک کر لیا لیکن میں محترمی و مکرمی جناب حافظ وصی محمد خان صاحب سے اتنا شرمندہ ہوں کہ ان کو معذرت کا فون کرنے کی بھی ہمت نہیں پا رہا لہٰذا اب ان کے در دولت پر جا کر ہی ان سے معافی طلب کروں گا۔ حافظ صاحب محترم زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں میرے سینئیر یونین فیلو تھے اور 1975ء میں مرکزی یونین کے ہر دلعزیز صدر بھی رہ چکے ہیں۔ اگر تعلیمی اداروں کی یونینز کو بھی ادارے

تصور کر لیا جائے تو مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میں گزشتہ 48 برس سے تین سرکاری یونیورسٹیوں کے علاوہ دو کالجز کی یونینز سے نمو حاصل کرنے اور تعلق قائم رکھنے والا غالباً واحد کریزی ہوں گا۔ واللہ علم بالصواب۔

چونکہ سیمینار میں حاضرین کی شرکت پر شکریہ ادا کرنے کا ذکر ہو رہا ہے تو دور جدید کی تازہ ترین آن لائن شمولیت کو بھی اب چونکہ سند کا درجہ حاصل ہے اس لئے میرا خصوصی تہنیتی ہاتھ میاں وقارالاسلام صاحب کے لئے ماتھے تک اٹھا ہوا ہے جنہوں نے میلسی میں بیٹھے بیٹھے ہمارے سینکڑوں پیشہ ور محسنوں کو ہم سے جوڑے رکھا جن میں سے میں ان 14 پروفیسرز، ڈاکٹرز اور سینئر کنسلٹنٹس کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ازاں بعد مجھے اپنے قیمتی خیالات سے نوازا اور شکریہ ادا کیا۔ اگر ان تینوں گروہوں کو باہم جوڑا جائے تو کل حاضرین 53 بنے جو اتنی غیر پیشہ ورانہ رکاوٹوں، منفی حربوں، کھسیانی بلیوں کے ناچ، مختصر وقت میں دعوت اور شدید گرم موسم میں جگہ کی تبدیلی کے باوجود رب تعالیٰ نے کامیاب فرمایا کیونکہ اس کے پیچھے نیک نیتی، نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پر سوز والے دوستوں کا بھرپور ساتھ تھا۔ یہ ذکر کرنا یہاں شاید مناسب نہ ہو کہ وہ کھسیانی بلیلاں پچھلے تین برس سے جو چند میٹنگز کر سکیں اس میں میرے سمیت پانچ سات سے زائد دوست شریک نہ ہوتے تھے آن لائن ملا کر بھی۔

الحمدللہ ای کیپ تنظیم کا گروپ بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ میری ای کیپ کو متحرک رکھنے کی کاوشوں اور خواہش پر لبیک کہتے ہوئے ہمارے ای کیپ کے ساؤتھ پنجاب کیلئے نامزد نائب صدر جناب ذوالقرنین مغل صاحب نے دسمبر 2022ء میں یہ گروپ تشکیل دیا تھا جس میں ابھی ہم 8 ہم خیال

دوست ہی جمع ہوئے تھے کہ ہمیں آگے بڑھنے سے روکنے کی کوششیں شروع ہو گئیں جس کی رفتار کو ہم نے اتحاد و یگانگت کے جذبے سے اسی وقت روک دیا لیکن چھ ماہ تک ان کے احترام میں کھڑے رہنے کے باوجود 5 جون 2023ء کو تو حد ہی ہو گئی جب یوم ماحولیات کے حوالے سے میرے جیسے نکمے کو بھی مختلف تنظیموں اور اداروں کی جانب سے 12 دعوتیں موصول ہوئیں جس میں صرف پنجاب یونیورسٹی کے رازی ہال میں پروفیسر ساجد رشید صاحب کے زیر انتظام پروگرام میں ہی شریک ہو پایا اور اس رپورٹ پر دل غم و غصّے سے بھر گیا کہ کچھ نہ کر کے بھی غیر قانونی طور پر اپنے سروں پر تاج جمائے رکھنے کے شوقین ای کیپ کے معززین تقریباً ایسے غائب تھے جیسے کسی کے سینگ غائب ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں نے فوراً اپنے ہم خیال ساتھیوں سے مشورہ کر کے مذکورہ سیمینار کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی اور کل اللہ نے اپنے کرم اور سچے جذبوں کو فتح و نیک نامی سے سرفراز ٹھہرا دیا۔

"ہدیہ تبریک" (قسط دوم)

کالم میٹھا سچ 599 از ڈاکٹر سلطان محمود

14 جون 2023ء

دوستو جیسے گاہک نہ ہو تو سونا بھی بیکار، کسان نہ ہو تو خوشہ گندم ناپید، طالب علم نہ ہو تو علم بے سود اور عاشق کی نظر کی دھوپ نہ ہو تو سارا حسن ہی بے مقصد، ایسے ہی سامعین و ناظرین نہ ہوں تو تمام سیمینار، لیکچر، میڈیا، فلم اور مشاہیر بے اثر۔ تبھی ہم نے پچھلی قسط میں پہلے شرکائے سیمینار کا شکریہ ادا کیا۔ اب شکریے کے سزاوار ہیں پہلے مقررین اور پھر ماحولیات اور سماجیات سے تعلق رکھنے والے مختلف ادارے اور انتظامیہ۔

ہم زور شور سے اس سیمینار کے لئے مہمان خصوصی ڈھونڈ رہے تھے تو ہماری قابل صد احترام پروفیسر کوثر کمال چیمہ کے ان الفاظ نے ہمیں بہت طمانیت بخشی کہ سیمینار میں لیکچر دینے والے ہی اصل ہدیہ تبریک کے مستحق ہوتے ہیں لہٰذا ہم نے سکھ کی سانس لی اور بے چون و چرا مقرر اول پروڈینشل مڈل ایسٹ لاء فرم دبئی کے جناب شکیل انجم میاں صاحب کو مہمان خصوصی اور ماحولیاتی کنسلٹنٹ فرم ایکو سنٹیکس لاہور کی لیڈ انوائرنمنٹل پروفیشنل محترمہ عابدہ ایوب کو مہمان اعزاز کے اعزازات دے دیئے۔ محترم شکیل انجم چونکہ پچھلے پندرہ برس سے امارات میں کارپوریٹ اٹارنی ہیں اس لئے انہوں نے گلف اور مغرب میں مقبول ترین مضمون ای ایس جی یعنی ماحولیات، سماجیات اور طرز حکومت کا کامیابی سے انسانی حقوق سے تعلق جوڑا اور نہایت تفصیل

سے اپنی مہارت کی روشنی میں انگریزی میں خطاب کیا۔ ایسے ہی "پیدائشی سکالر" ای کیپ کی بنیادی رکن عابدہ ایوب صاحبہ نے اپنے جاندار اعتماد کے ساتھ ماحولیات کے مضمون کا مستقبل کی کاروباری دنیا سے اہم جوڑ جوڑ کر دکھا دیا۔ دونوں مہمانان کو سامعین کی بھرپور ستائش ملتی رہی۔

اس سے قبل ای کیپ کی مستقبل کی اثاثہ پنجاب یونیورسٹی کی اسسٹنٹ پروفیسر اور خانہ فرہنگ ایران کی کوآرڈینیٹر محترمہ ڈاکٹر نوشین خالد نے اس سیمینار کی افادیت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ ای کیپ کیا ہے اور کس طرح منفرد اور اپنی نوعیت کی اس اولین پر فیشنل تنظیم نے 2016ء سے آج تک لاہور سے اپنے تدریجی سفر کو جاری رکھا۔ ڈاکٹر نوشین خالد واٹر ریسورسز پر پی ایچ ڈی ہیں اور اس سے قبل ٹورزم ڈیولپمنٹ پاکستان کے سابق چیئرمین اور ممتاز دانشور جناب مسعود احمد خان صاحب کے قائم کردہ "پانی، ماحولیات اور سیاحت" تھنک ٹینک کے فورم سے بیشمار سیمینارز کی نقابت فرما چکی ہیں۔

ہمارے اس سیمینار کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ منجھے ہوئے نقیب دیال سنگھ کالج کے استاد ڈاکٹر مجاہد نے ہمارے سیمینار کی نقابت فرما کر محفل کو چار چاند لگا دیئے۔ موصوف الحمراء ہالز میں ہونے والے بیشمار پروگرامز میں اپنے فن نقابت کے جوہر بھی دکھا چکے ہیں نیز کالج کی ماحولیاتی سوسائٹی کے نائب صدر اور پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی بھی ہیں۔

راقم نے اس سیمینار کو منعقد کرنے کے سلسلے میں حاسدین کی غیر پیشہ ورانہ رکاوٹوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حاضرین سے معذرت طلب کی کہ سخت گرمی میں پنجاب یونیورسٹی کے ہال کی اچانک منسوخی سے دیال سنگھ کالج کے ہال منتقلی پر انہیں جو تکلیف برداشت کرنی پڑی اسے اسی طرح برداشت کر لیں جیسے ملک عزیز میں ترقی کی دشمن طاقتوں کے بہیمانہ ناچ کو برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ راقم نے اس موضوع پر مزید روشنی ڈالی کہ ای کیپ کو کیوں متحرک رکھنا ضروری ہے اور یہ تنظیم کیسے مشیر ان ماحولیات کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے تحفظ کے لئے بنائی گئی تھی بلکہ اس کے مقاصد میں یہ نکات بھی شامل ہیں کہ عوام اور پالیسی اداروں میں ماحولیات بارے آگاہی، پہلے بارہ سالہ تعلیمی نصاب میں ماحولیات سے متعلقہ مضامین کی شمولیت اور ملک کو عالمی حدت سے پہنچنے والے نقصانات سے بچاؤ کی حکومتی کوششوں میں مدد فراہم کرنا، وغیرہ۔ راقم نے مختصر الفاظ میں ای کیپ کو مستقبل میں متحرک رکھنے کے لئے ایک روڈ میپ بھی پیش کیا جسے سامعین نے پرجوش انداز میں سراہا۔ اس روڈ میپ میں ای کیپ کے پلیٹ فارم سے سیمینارز کا تسلسل، طلبہ اور کنسلٹنٹس کی تربیتی ورکشاپس، دبئی میں اس سال منعقد ہونے والی کاپ 28 میں نمائندگی، پالیسی اداروں سے تعلق اور عالمی اداروں سے تحقیقی گرانٹس کا حصول نیز عوامی و حکومتی سطح پر ماحولیاتی آگاہی جیسے سنگ میل کا ذکر کیا گیا۔

اس سیمینار کا آخری حصہ حاضرین میں موجود دیگر ماہرین کی ماہرانہ آراء پر مشتمل تھا جس نے سیمینار کو مزید کارآمد بنانے میں بہت مدد کی۔ ان ماہرین میں ورلڈ بنک کے ماہر ماجیات جناب مقصود احمد، ایشئین ترقیاتی بنک کے سماجی ماہر جناب جاوید اختر، ماحولیاتی صحت کے نیشنل فورم کے لیڈ آڈیٹر جناب محمد آصف، کالج آف ٹیکنالوجی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر جناب ڈاکٹر محمد احمد صمدانی اور

انڈسٹری کے نمائندہ برادر گلاس کے سی ای او جناب نعمان احمد شامل تھے۔ علاوہ ازیں ماحولیاتی وکلاء گروپ کی جانب سے جناب ڈاکٹر سعید باروی جو ای کیپ کے رکن بھی ہیں اور جناب انعام پاشا ایڈووکیٹ نے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ طلباء کے نمائندہ گروپ کی جانب سے پنجاب یونیورسٹی کے عزیزم محمد باسط، جی سی یونیورسٹی کی عزیزہ ناہید سندھو اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے عزیزم عبدالرحمان نے بھی مہمانان سے اپنے سوالات کے جوابات پاکر علمی پیاس بجھائی۔ میڈیا گروپس اور صحافیوں کی جانب سے جی این این، نیوز 92، لاہور رنگ، روزنامہ سدید اور روزنامہ پاک نیوز نے بھی پوری کوریج کرکے ہمارے سیمینار کو اپنے اپنے چینلز سے نشر کیا۔

راقم خصوصی طور پر ان دوستوں کا شکر گزار ہے جو جگہ کی تبدیلی سے بے خبر رہ جانے کے باعث پنجاب یونیورسٹی جا پہنچے۔ ان میں سے ہم محترم حافظ وصی محمد، پروفیسر جاوید اقبال، ڈاکٹر انوار الاسلام، محترمہ پروفیسر نبیلہ روحی اور ڈاکٹر ذوالفقار علی سے بے حد معذرت کے طلبگار ہیں۔ ہم ان تمام پروفیشنلز کی دلچسپی کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے دور بیٹھ کر ہمارے سیمینار کو آن لائن سنا اور ابھی تک ہمیں تہنیتی پیغامات ارسال کر رہے ہیں۔

چائے پر بہت سے طلباء اور عالمی بنکوں کے ماہرین نے مہمان خصوصی اور مہمان اعزاز کو گھر لیا اور وہ اپنی ان تمام گذارشات پر ماہرین کے تجربات کی روشنی میں بات چیت کرتے رہے جس کا انہیں سیمینار کے محدود وقت میں موقع میسر نہ آسکا تھا

"صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے"

کالم میٹھا سچ 600 از ڈاکٹر سلطان محمود

19 جون 2023ء

اس سال عالمی یوم ماحولیات 5 جون ہی کے حوالے سے ای کیپ (انوائرنمنٹ کنسلٹنٹس ایسوسی ایشن پاکستان) ایک نئے زاویے ESG (انوائرنمنٹ، سوشل اور گورنس)۔ یعنی ای ایس جی کو متعارف کرانے جارہی ہے

جو اقوام متحدہ کے SDG سترہ پائیدار اہداف ترقی کا احاطہ کرتے ہوئے ترقی یافتہ دنیا کی حکومتوں اور کارپوریٹ سیکٹر کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

اس زاویے سے ترقی یافتہ ممالک ایک اور اہم موڑ مڑ گئے ہیں جسے بقول استاد اقبال کے ہم جیسے ممالک "محو جرس کارواں" ہی کے زمرے میں رکھے بیٹھے ہیں۔

آیئے بروز پیر مورخہ 12 جون پنجاب یونیورسٹی کے کالج آف ارتھ اینڈ انوائرنمنٹل سائنسز ڈیپارٹمنٹ کے ٹھنڈے آڈیٹوریم میں عالمی شہرت یافتہ ماحولیاتی ایکٹوسٹ جناب شکیل انجم میاں اور ان کی ٹیم کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھیں اور سٹارمنگ کریں کہ کیسے ہم نے عالمی برادری میں اپنا جائز مقام حاصل کرنا ہے؟ دلچسپی رکھنے والے بیرون ملک مقیم دوستوں کی خاطر زوم کا لنک بھی موجود ہو گا جس کا اشتراک پیر کی دوپہر تک کر دیا جائے گا۔

دوسری خوشخبری یہ ہے کہ کوویڈ نے دنیا کو دو برس قبل جو مہلک ضرب لگائی تھی اس سے ای کیپ بھی شدید متاثر ہوئی لہٰذا اس خوبصورت اور اہم پیشہ ورانہ فورم کے جانبر ہو کر رہنمائی کرنے کا دن بھی انشاء اللہ وہی ہو گا۔ چائے کی دعوت تو اس اہم موضوع کے حوالے سے ایک اضافی اور معمولی سی بات لگتی ہے

کالم 598 اور 599 کو مدغم کر کے مندرجہ ذیل رپورٹ اخبار کے لئے لکھی گئی۔

"ماحولیات کی مرکزی تنظیم "ای کیپ' کی جانب سے ہدیہ تبریک"

بارہ جون کو ماحولیاتی مشیران کی مرکزی تنظیم ای کیپ یعنی انوائرمنٹ کنسلٹنٹس ایسوسی ایشن پاکستان کا 2017ء میں اپنی تاسیس سے لے کر اولین سیمینار منعقد ہوا جس میں ماحولیات کی بگڑتی صورتحال کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ مستقبل میں کلائمیٹ چینج کے خطرات سے نپٹنے کے لئے عوام کو آگاہی دی گئی۔ سیمینار کا موضوع تھا "Sustainable Development Goals and ESG". ای ایس جی سے مراد ماحولیات، سماجیات اور طرز حکمرانی کا بندھن ہے۔

منتظمین نے اس شدید گرم موسم میں ان تمام خواتین و حضرات کع ای کیپ کی جانب سے تہہ دل سے ہدیہ تبریک پیش کرتی ہے جنہوں نے ہماری عزت افزائی میں گرمی کی کلفت برداشت کی۔ ہماری جانب سے سمع خراشی کو تحمل سے سنا اور وینیو کی اچانک تبدیلی سے ہونے والی مشکلات کو بھی سہا۔

صدیوں کا وقار سنبھالے ہوئے دیال سنگھ کالج کے کمیٹی روم میں بنفس نفیس پہنچ کر چونیتس خواتین و حضرات نے شرکت فرمائی جن کے جذبہ حصول علم اور مثبت رد عمل نے ہمارا حوصلہ مزید جوان کیا کہ ہم آئندہ بھی ایسے علمی، تربیتی و تنظیمی فورم منعقد کرتے رہیں۔ ان کے علاوہ پانچ پروفیسرز اور کنسلٹنٹ خواتین و حضرات ہمارے پہلے سے اعلان کردہ ہال میں جا پہنچے جسے خالی پا کر شکایتی فون کئے کہ جگہ کی تبدیلی کا انہیں بروقت کیوں نہ بتایا گیا۔ چار دوست چونکہ پنجاب یونیورسٹی کے اندر

ہی سے تشریف لائے تھے اس لئے ان کے موڈ کی خرابی کو تو ہم نے فون پر ہی ٹھیک کر لیا لیکن ہم محترمی و مکرمی جناب حافظ وصی محمد خان صاحب سے اتنا شرمندہ ہیں کہ ان کو معذرت کا فون کرنے کی بھی ہمت نہیں پا رہے۔

چونکہ سیمینار میں حاضرین کی شرکت پر شکریہ ادا کرنے کا ذکر ہو رہا ہے تو دور جدید کی تازہ ترین آن لائن شمولیت کو بھی اب چونکہ سند کا درجہ حاصل ہے اس لئے ہمارا خصوصی تہنیتی ہاتھ میاں وقارالاسلام صاحب کے لئے ماتھے تک اٹھا ہوا ہے جنہوں نے میلسی میں بیٹھے بیٹھے ہمارے سینکڑوں پیشہ ور محسنوں کو ہم سے جوڑے رکھا جن میں سے میں ان 14 پروفیسرز، ڈاکٹرز اور سینئر کنسلٹنٹس کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ازاں بعد ہمیں اپنے قیمتی خیالات سے نوازا اور شکریہ ادا کیا۔ اگر ان تینوں گروہوں کو باہم جوڑا جائے تو کل حاضرین ترپن بنے جو اتنے مختصر وقت میں دعوت اور شدید گرم موسم میں جگہ کی تبدیلی کے باوجود رب تعالیٰ نے کامیاب فرمایا کیونکہ اس کے پیچھے نیک نیتی، نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پر سوز والے دوستوں کا بھرپور ساتھ تھا۔

الحمدللہ ای کیپ تنظیم کا گروپ بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری ای کیپ کو متحرک رکھنے کی کاوشوں اور خواہش پر لبیک کہتے ہوئے ای کیپ کے ساؤتھ پنجاب کیلئے نامزد نائب صدر جناب ذوالقرنین مغل صاحب نے دسمبر 2022ء میں یہ گروپ تشکیل دیا تھا جس میں ابھی ہم 8 ہم خیال دوست ہی جمع ہوئے تھے کہ ہمیں آگے بڑھنے سے روکنے کی کوششیں شروع ہو گئیں جس کی رفتار کو ہم نے اتحاد و یگانگت کے جذبے سے اسی وقت روک دیا لیکن چھ ماہ تک ان کے احترام میں کھڑے رہنے کے باوجود 5 جون 2023ء کو تو حد ہی ہو گئی جب یوم ماحولیات کے حوالے سے ہماری حاضری کہیں بھی

نظر نہ آئی۔ لہٰذا ہم نے فوراً اپنے ہم خیال ساتھیوں سے مشورہ کر کے مذکورہ سیمینار کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی اور کل اللہ نے اپنے کرم اور سچے جذبوں کو فتح و نیک نامی سے سرفراز ٹھہرا دیا۔

دوستو جیسے گاہک نہ ہو تو سونا بھی بیکار، کسان نہ ہو تو خوشہ گندم ناپید، طالب علم نہ ہو تو علم بے سود اور عاشق کی نظر کی دھوپ نہ ہو تو سارا حسن ہی بے مقصد، ایسے ہی سامعین و ناظرین نہ ہوں تو تمام سیمینار، لیکچر، میڈیا، فلم اور مشاہیر بے اثر۔ تبھی ہم نے سب سے پہلے شرکائے سیمینار کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اب شکریے کے سزاوار ہیں پہلے مقررین اور پھر ماحولیات اور سماجیات سے تعلق رکھنے والے مختلف ادارے اور انتظامیہ۔

ہم زور شور سے اس سیمینار کے لئے مہمان خصوصی ڈھونڈ رہے تھے تو ہماری قابل صد احترام پروفیسر کوثر کمال چیمہ کے ان الفاظ نے ہمیں بہت طمانیت بخشی کہ سیمینار میں لیکچر دینے والے ہی اصل ہدیہ تبریک کے مستحق ہوتے ہیں لہٰذا ہم نے سکھ کی سانس لی اور بے چون و چرا مقرر اول پروڈینشل مڈل ایسٹ لاء فرم دبئی کے جناب شکیل انجم میاں صاحب کو مہمان خصوصی اور ماحولیاتی کنسلٹنٹ فرم ایکو سنٹیکس لاہور کی لیڈ انوائرنمنٹل پروفیشنل محترمہ عابدہ ایوب کو مہمان اعزاز کے اعزازات دے دیئے۔ محترم شکیل انجم چونکہ پچھلے پندرہ برس سے امارات میں کارپوریٹ اٹارنی ہیں اس لئے انہوں نے گلف اور مغرب میں مقبول ترین مضمون ای ایس جی یعنی ماحولیات، سماجیات اور طرز حکومت کا کامیابی سے انسانی حقوق سے تعلق جوڑا اور نہایت تفصیل سے اپنی مہارت کی روشنی میں انگریزی میں خطاب کیا۔ ایسے ہی "پیدائشی سکالر" ای کیپ کی

بنیادی رکن عابدہ ایوب صاحبہ نے اپنے جاندار اعتماد کے ساتھ ماحولیات کے مضمون کا مستقبل کی کاروباری دنیا سے اہم جوڑ جوڑ کر دکھا دیا۔ دونوں مہمانان کو سامعین کی بھرپور ستائش ملتی رہی۔

اس سے قبل پنجاب یونیورسٹی کی اسسٹنٹ پروفیسر اور خانہ فرہنگ ایران کی کوآرڈینیٹر محترمہ ڈاکٹر نوشین خالد نے اس سیمینار کی افادیت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ ای کیپ کیا ہے اور کس طرح منفرد اور اپنی نوعیت کی اس اولین پروفیشنل تنظیم نے 2016ء سے آج تک لاہور سے اپنے تدریجی سفر کو جاری رکھا۔ ڈاکٹر نوشین خالد واٹر ریسورسز پر پی ایچ ڈی ہیں اور اس سے قبل ٹورزم ڈیولپمنٹ پاکستان کے سابق چیئرمین اور ممتاز دانشور جناب مسعود احمد خان صاحب کے قائم کردہ "پانی، ماحولیات اور سیاحت" تھنک ٹینک کے فورم سے بیشمار سیمینارز کی نقابت فرما چکی ہیں۔

ہمارے اس سیمینار کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ منجھے ہوئے نقیب دیال سنگھ کالج کے استاد ڈاکٹر مجاہد نے ہمارے سیمینار کی نقابت فرما کر محفل کو چار چاند لگا دیئے۔ موصوف الحمراء ہالز میں ہونے والے بیشمار پروگرامز میں اپنے فن نقابت کے جوہر بھی دکھا چکے ہیں نیز کالج کی ماحولیاتی سوسائٹی کے نائب صدر اور پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی بھی ہیں۔

ڈاکٹر سلطان محمود نے اس سیمینار کو منعقد کرنے کے سلسلے میں حاسدین کی غیر پیشہ ورانہ رکاوٹوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حاضرین سے معذرت طلب کی کہ سخت گرمی میں پنجاب یونیورسٹی کے ہال کی اچانک منسوخی سے دیال سنگھ کالج کے ہال منتقلی پر انہیں جو تکلیف برداشت کرنی پڑی اسے اسی طرح برداشت کر لیں جیسے ملک عزیز میں ترقی کی دشمن طاقتوں کے بہیمانہ ناچ کو برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ نے اس موضوع پر مزید روشنی ڈالی کہ ای کیپ کو کیوں متحرک رکھنا

ضروری ہے اور یہ تنظیم کیسے مشیر ان ماحولیات کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے تحفظ کے لئے بنائی گئی تھی بلکہ اس کے مقاصد میں یہ نکات بھی شامل ہیں کہ عوام اور پالیسی اداروں میں ماحولیات بارے آگاہی، پہلے بارہ سالہ تعلیمی نصاب میں ماحولیات سے متعلقہ مضامین کی شمولیت اور ملک کو عالمی حدت سے پہنچنے والے نقصانات سے بچاؤ کی حکومتی کوششوں میں مدد فراہم کرنا، وغیرہ۔ ڈاکٹر صاحب نے مختصر الفاظ میں ای کیپ کو مستقبل میں متحرک رکھنے کے لئے ایک روڈ میپ بھی پیش کیا جسے سامعین نے پرجوش انداز میں سراہا۔ اس روڈ میپ میں ای کیپ کے پلیٹ فارم سے سیمینارز کا تسلسل، طلبہ اور کنسلٹنٹس کی تربیتی ورکشاپس، دبئی میں اس سال منعقد ہونے والی کاپ 28 میں نمائندگی، پالیسی اداروں سے تعلق اور عالمی اداروں سے تحقیقی گرانٹس کا حصول نیز عوامی و حکومتی سطح پر ماحولیاتی آگاہی جیسے سنگ میل کا ذکر کیا گیا نیز اس قدم کو سب سے اہم گردانا گیا کہ عنقریب انجنیئرنگ کونسل کی طرز پر ملکی سطح پر ماحولیاتی کونسل بھی قائم کر دی جائے گی۔

اس سیمینار کا آخری حصہ حاضرین میں موجود دیگر ماہرین کی ماہرانہ آراء پر مشتمل تھا جس نے سیمینار کو مزید کارآمد بنانے میں بہت مدد کی۔ ان ماہرین میں ورلڈ بنک کے ماہر سماجیات جناب مقصود احمد، ایشئین ترقیاتی بنک کے سماجی ماہر جناب جاوید اختر، ماحولیاتی صحت کے نیشنل فورم کے لیڈ آڈیٹر جناب محمد آصف، کالج آف ٹیکنالوجی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر جناب ڈاکٹر محمد احمد صمدانی اور انڈسٹری کے نمائندہ برادر گلاس کے سی ای او جناب نعمان احمد شامل تھے۔ علاوہ ازیں ماحولیاتی وکلاء گروپ کی جانب سے جناب ڈاکٹر سعید باروی جو ای کیپ کے رکن بھی ہیں اور جناب انعام پاشا ایڈووکیٹ نے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ طلباء کے نمائندہ گروپ کی جانب سے پنجاب یونیورسٹی کے عزیزم محمد باسط، جی سی یونیورسٹی کی عزیزہ ناہید سندھو اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج

کے عزیزم عبد الرحمان نے بھی مہمانان سے اپنے سوالات کے جوابات پا کر علمی پیاس بجھائی۔ میڈیا گروپس اور صحافیوں کی جانب سے جی این این، نیوز 92، لاہور رنگ، روزنامہ سدید اور روزنامہ پاک نیوز نے بھی پوری کوریج کر کے ہمارے سیمینار کو اپنے اپنے چینلز سے نشر کیا اور چھاپا۔

خصوصی طور پر ہم ان دوستوں کے شکر گزار ہیں جو جگہ کی تبدیلی سے بے خبر رہ جانے کے باعث پنجاب یونیورسٹی جا پہنچے۔ ان میں سے ہم محترم حافظ وصی محمد، پروفیسر جاوید اقبال، ڈاکٹر انوار الاسلام، محترمہ پروفیسر نبیلہ روحی اور ڈاکٹر ذوالفقار علی سے بے حد معذرت کے طلبگار ہیں۔ ہم ان تمام پروفیشنلز کی دلچسپی کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے دور بیٹھ کر ہمارے سیمینار کو آن لائن سنا اور ابھی تک ہمیں تہنیتی پیغامات ارسال کر رہے ہیں۔

چائے پر بہت سے طلباء اور عالمی بنکوں کے ماہرین نے مہمان خصوصی اور مہمان اعزاز کو گھیر لیا اور وہ اپنی ان تمام گذارشات پر ماہرین کے تجربات کی روشنی میں بات چیت کرتے رہے جس کا انہیں سیمینار کے محدود وقت میں موقعہ میسر نہ آ سکا تھا۔